تذکرہ
ہندو شعرائے بہار

جس میں

صوبہ بہار کے متقدمین، متوسطین اور متاخرین یعنی دور حاضر تک
کے فارسی اور ریختہ گو ہندو شعراء کے تذکرے اور کلام بڑی جستجو
سے فراہم کر کے مستند تذکروں کے ضروری حوالوں کیساتھ جمع کیے گئے ہیں

مرتبہ
فصیح الدین بلخی

ناشر
نیشنل بک سینٹر - ڈالٹین گنج - پلامو

بار اول

قیمت
چار روپے ۲۵ نئے پیسے

احوالِ ضروری

سطورِ ذیل میں بجز احوالِ ضروری کچھ بھی نہیں۔ اسلئے کہ نہ تو یہ اس کتاب کا مقدمہ ہے اور نہ صاحبِ کتاب کا تعارف۔ مقدمہ تو مرحوم مؤلف نے تالیفِ کتاب کے بعد ہی سپردِ قلم کر دیا تھا جو اس کتاب کی اہمیت کا ضمانت دار ہے۔ رہی بات تعارف کا۔ تو یہ ظاہر ہے کہ تعارف اُسی اہلِ قلم کا ہوتا ہے جو اُس مخصوص فنکار سے بلند پایہ نہ ہو تو ہم پلّہ ضرور ہو۔ راقم الحروف اس کا اہل ہی نہیں۔ پھر بھی چند سطور اسلئے سپردِ تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ مرحوم ہستئ عظیم و جاوید جن کے علمی و ادبی کارناموں کا علم و ادب مرہونِ منت ہے اُس کے ذاتی حالات سے اہلِ ذوق پورے طور پر آگاہ نہیں ہو سکے ہیں۔

والد مرحوم حضرت فصیح الدین بلخی کا سنِ ولادت ۱۰ فروری سنہ ۱۸۸۵ء اور سنِ وفات ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۶۲ء ہے۔ اُن کی سوانح حیات بہرصورت دلچسپیوں سے بھرپور ہے جو انہیں ایک مہم پسند سیاحِ ممالکِ بیرونی، ایک کامیاب معلم، ایک مقبول افسر، ایک وسیع النظر عالم، ایک بیباک فنکار، ایک حاملِ جستجو محقق، ایک صاحبِ فن ناقد، ایک انصاف پسند مورخ اور ایک فرض شناس انسان ثابت کرتی ہے۔ اُنکی زندگی کے ہر پہلو پر بہ تفصیل روشنی ڈالنے کی گنجائش نہیں۔ قدرت کو منظور رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ اُن کی سوانح حیات ناظرین کی خدمت میں پیش کروں گا جو ابھی تحریری منازل میں ہے۔ وہ بہت لمبی چوڑی ڈگریاں رکھنے والے فرد تو نہیں تھے لیکن اُن کے سپرد کم و بیش ہمیشہ کام ایسے ہی رہے جن کے لئے عموماً لمبی چوڑی ڈگریوں والے افراد کا انتخاب ہوتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں اپنے والد محترم ڈاکٹر غیاث الدین بلخی مرحوم کی اچانک موت کے سبب اپنا تعلیمی سلسلہ کچھ دنوں تک جاری رکھنے کے باوجود زیادہ عرصہ تک قائم نہ رکھ سکے۔ ویسے ناگوار ماحول میں یہی کیا کم تھا کہ کسی طرح کلکتہ یونیورسٹی کے انٹرنس کا امتحان امتیازی نشان سے پاس کیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں منشی فاضل کا امتحان مزید امتیازی نشان سے پاس کرنے کے بعد سنہ ۱۲-۱۹۱۱ء کے لگ بھگ یونائٹڈ ملٹری اسکول کرکی میں اردو و فارسی کے معلم کی حیثیت سے اُن کا تقرر ہوا۔ اس ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سنہ ۱۶-۱۲-۱۳ء کے لگ بھگ فورٹ ولیم (کلکتہ) میں معلمی کی۔ اسی اثنا میں جزیرہ فجی کی سیر کا موقع ملا۔ چنانچہ حکومت فجی کی عدالتِ عالیہ (SUPREME COURT) میں ترجمان کا عہدہ (ماہوار مبلغ ایک سو چالیس پونڈ ماہانہ تنخواہ) سنبھالا۔ خرابئ صحت کے سبب وہاں سے بھی واپس آنا پڑا۔ چنانچہ قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد [illegible] بہار میں کبھی کوآپریٹو سوسائٹیز کبھی ڈسٹرکٹ

ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے رہے۔ پہلی جنگ عظیم میں فوجی ملازمت اختیار کی سنہ ۱۹۱۹ء میں سیریا، مصر، فلسطین، دمشق، بیروت، بیت المقدس اور نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرنے کے بعد وطن واپس آئے جونپور میں سب ڈپٹی کا عہدہ بھی مل گیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۲۱ء کی تحریک عدم تعاون ہکام برطانیہ سے متاثر ہوکر اسے بھی ٹھکرا دیا۔ کئی برسوں تک معاشی بحران میں مبتلا رہنے کے بعد سنہ ۱۹۲۶ء میں باسیت سرائے گیلا میں ریونیو افسر و مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہوئے سنہ ۱۹۴۷ء میں یہاں سے اپنی خوشی کے مطابق پنشن یافتہ ہوکر پٹنہ یونیورسیٹی میں ناظم شعبۂ مخطوطات ہوئے جہاں سے سنہ ۱۹۶۰ء میں ریٹائر کیا۔ پٹنہ یونیورسیٹی کے شعبۂ مخطوطات کو مرحوم کی کیا دین ہے اسے دنیا اچھی طرح جانتی ہے خصوصی طور پر اس کے موجودہ ناظم ڈاکٹر خواجہ افضل امام ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی کو تو ان کی اس ضمن کی خدمات کا اچھا خاصہ علم ہے۔

مرحوم کی پہلی کتاب تاریخ مگدھ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سے سنہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوکر مقبول عام ہوئی۔ دوسری کتاب تذکرۂ نسوان ہند سنہ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔ شاد عظیم آبادی کی شاعری سے متعلق انکا کتابچہ انتشار شاد بہت پہلے شائع ہوکر انکی ناقدانہ صلاحیت کو طشت از بام کر چکا تھا۔

مرحوم کی غیر مطبوعہ کتابیں کئی ہیں (مثلاً دستور تحقیق، صوبہ بہار کے تاریخی مقامات کے کتبوں کا مجموعہ آثار بلخیہ، تحریک ادبیہ در بہار، مقالات فصیح، ہندو شعرائے بہار وغیرہ)۔

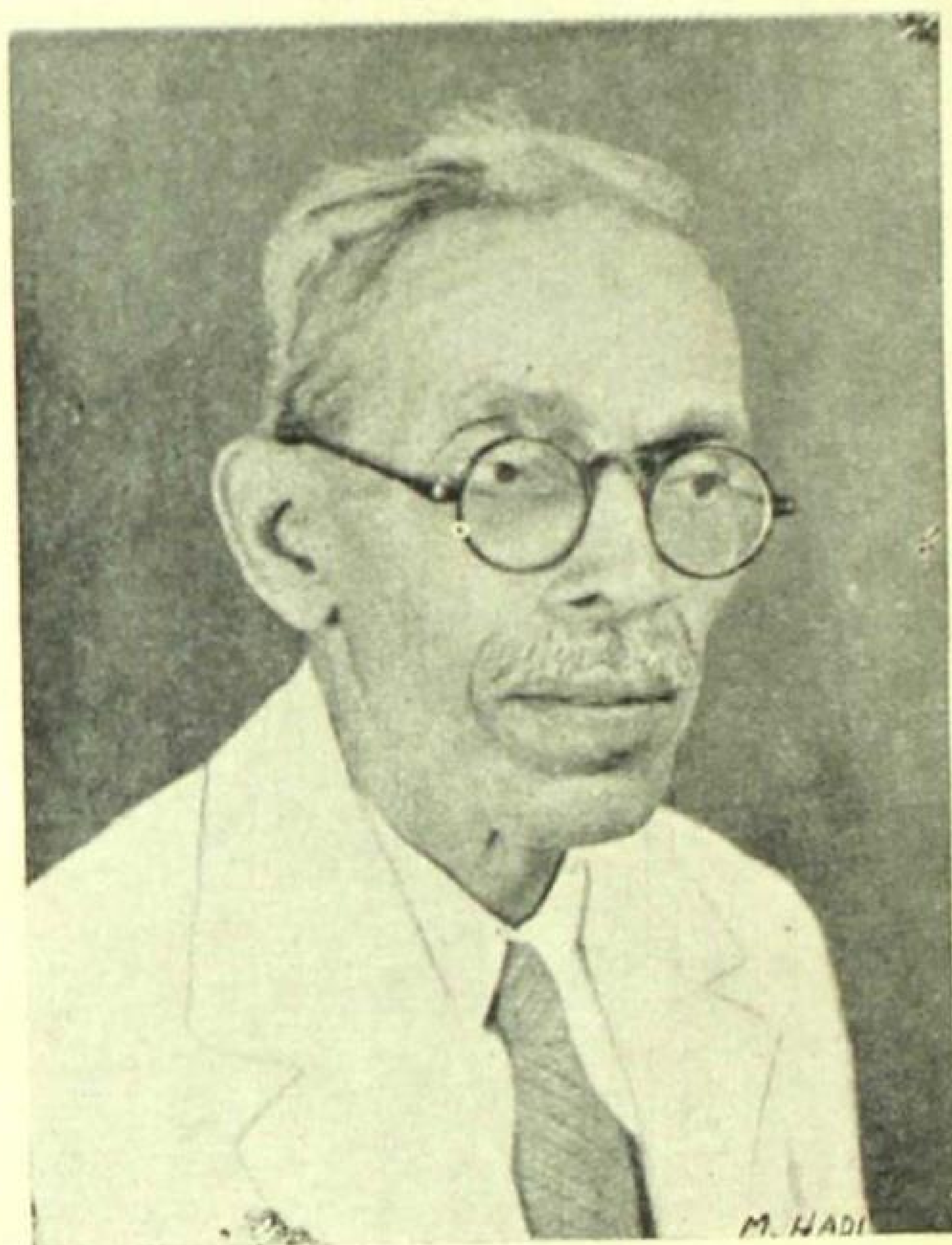
پیش نظر کتاب تذکرہ ہندو شعرائے بہار دراصل مرحوم کی غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے سلسلۂ طباعت کی پہلی کڑی ہے۔ میں اس کی اشاعت کے لئے ناشر کتاب کا حد درجہ شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کسمپرسی کے دور میں بھی جرأت رندانہ سے کام لیا ہے بلکہ یہ بھی عزم کیا ہے کہ "تحریک ادبیہ در بہار" مرحوم کی غیر مطبوعہ تصنیفات کے سلسلۂ طباعت و اشاعت کی دوسری کڑی ہوگی۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے آمین!

میں اپنے محترم بزرگ پروفیسر عسکری، اپنے بزرگ دوست جناب بہجور شمسی اپنے شاگرد کے۔ شرما اور اپنے ہم پیشہ عزیز پروفیسر منیب الرحمن کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے از راہ خلوص ہر ممکن صورت اس گذشتہ آلام و مصائب کے ساتھ ہمدردانہ رویہ برت کر اس نیک کام کی تکمیل میں خلوص و محبت اور تعاون سے کام لیا۔

آخر میں اس روح مقدس کو اپنے جذبات احترام کے پھول پیش کرتا ہوں جس کے کارناموں کی دنیائے علم و دانش، درخصوصی طور پر اردو زبان و ادب رہین منت ہے۔

محلہ گنج۔ داؤد نگر گنج (پلاموں)
۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء

خاکپائے فصیح
نادم بلخی


M. HADI

مقدمہ

آئینہ کیوں نہ دیں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے (غالب)

صوبہ بہار کی سرزمین جس کا قدیمی نام مگدھ ہے مذہبی، سیاسی، علمی اور ادبی حیثیتوں سے سارے ہندوستان کی تاریخ میں نہایت اہم اور ممتاز ہے۔ دنیا کے دو بڑے مذاہب یعنی بودھ دھرم اور جین دھرم کا ایجاد اور نشوونما اسی زمین میں ہوا اور راجا چندرگپت اور اشوک کے عہد میں پاٹلی پتر جو بعد میں پٹنہ اور عظیم آباد کے نام سے موسوم ہوا ایسی وسیع مملکت کا دارالحکومت تھا جس کے حدود ملک ایران کی مشرقی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔

چندرگپت کے زمانہ میں کوتیلیا (چانکیا) ایک بڑا مقنن اور مدبر گذرا ہے جس کو ہندوستان کا ارسطو کہا جاتا ہے اس کی مشہور تصنیف ارتھ شاستر موریا خاندان کے راجاؤں کا دستورالعمل رہی اور آج تک مورخ اس کو بڑی اہم کتاب جانتے ہیں۔

پاٹلی پتر کا ایک باشندہ پانینی جس کو دو ہزار برس سے زیادہ گذرے زبان کے اصول و قواعد منضبط کرنے کا موجد سمجھا جاتا ہے اور اس کی کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے دنیا میں پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

اسی طرح اس ملک کے مشہور مہندس و منجم آریہ بھٹ نامی (سنہ ۴۷۶ء تا سنہ ۵۴۷ء) نے بیس برس کی عمر میں اسی پاٹلی پتر میں علم ہندسہ و نجوم پر ایک کتاب تصنیف کی جو اب تک قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

پاٹلی پتر کے راجاؤں میں سمدر گپتا (سنہ ۳۳۰ء تا سنہ ۳۸۰ء) فن سپہ گری کے علاوہ شاعری اور موسیقی میں کمال رکھتا تھا۔ اس کے سکوں میں

بین بجاتے ہوئے اس کی تصویر پائی جاتی ہے اور اس نے اپنی شوکت و عظمت کا حال سنسکرت میں نظم کر کے اشوک کے سنگین پائے پر کندہ کرایا تھا جو قلعہ الہ آباد کے اندر پایا گیا ہے۔

۴۲۷ء کے قریب قصبہ بہار سے پانچ کوس دکھن نالندہ کی مشہور دانش گاہ قائم ہوئی جو ہندوستان سے چین تک علم کا مرکز تھی یہ اہل وطن کے علمی ذوق کا سب سے بڑا اور نمایاں ثبوت تسلیم کیا جاتا ہے۔ چین کے جاتریوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہاں ہزاروں اہل علم موجود تھے ان میں متعدد مصنفین بھی تھے جن کی تصنیفیں اس ملک کے علاوہ تبت، چین، اور ملایا تک مشہور تھیں۔ آج بھی پٹنہ میں کتب خانہ مشرقیہ (خدا بخش لائبریری) مخطوطات کا ایسا ذخیرہ ہے جو دنیا کے نادر کتب خانوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اہل بہار کے علمی ذوق کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔

ارباب علم کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ ہر ایک زبان کے ادبی سرمایہ سے تمتع حاصل کریں۔ البیرونی نے ہندوستان آکر برہمنوں سے سنسکرت سیکھی اور اس ملک کے حالات اور ہندوؤں کے طرز معاشرت کی جو کیفیت لکھی ہے نہایت اہم ہے۔ تاریخوں کے مطابق سلطان سکندر لودی کے عہد (۸۹۵ھ تا ۹۱۲ھ) میں ہندوؤں نے فارسی پڑھنا شروع کیا لیکن اس وقت ان کی فارسی دانی دیوان خانوں اور دفتروں کی نوشت و خواند تک محدود تھی اس کے بعد اکبر کے عہد (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) میں راجا ٹوڈرمل نوشت و خواند میں بے تکلف فارسی استعمال کرتے تھے اور راجا مان سنگھ نے صوبہ بہار کی حکومت کے زمانہ میں حاجی پور میں ایک فرمان جاری کیا تھا جس کی نقل راقم

کے پاس موجود ہے اس میں ایک جانب فارسی عبارت ہے اور دوسری جانب وہی مضمون فارسی آمیز ہندی میں ہے۔ لیکن اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اکبر ہی کے عہد میں کرشن داس بہاری ایک بڑے ذی علم برہمن تھے جنہوں نے بادشاہ کے ایما سے سنسکرت زبان میں فارسی سیکھنے کی ایک کتاب پارسک پرکاش نامی لکھی جس میں انہوں نے اپنے اشلوک میں بے تکلف عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کئے ہیں یہ کتاب پٹنہ یونیورسیٹی کے شعبہ مخطوطات میں موجود ہے۔

گیارہویں صدی ہجری سے فارسی کا رواج اس قدر ہو گیا تھا کہ ہندو شعرا مسلمانوں کے ہم پہلو ہو گئے تھے۔ چندر بھان برہمن کا دیوان اور اس کے مکتوبات اس بات کی کھلی دلیلیں ہیں۔ خاص صوبہ بہار میں نند لال گویا، اجاگر چند الفت وغیرہ وغیرہ کئی نامور فارسی گو شعرا گزرے ہیں اور ان کے بعد راجا پیارے لال الفتی ایسے نامور شاعر تھے کہ اس دیار میں اکثر و بیشتر فارسی گو شعرا انہیں کے شاگرد تھے۔ بارہویں صدی ہجری میں جب فارسی کی جگہ اردو نے لی تو صوبہ بہار کے ہندوؤں نے اردو ہی میں سخن طرازی اختیار کی اور ہندو شعرا اور رؤسا اپنے دولت کدوں میں دھوم دھام سے مشاعرے منعقد کرتے تھے ان میں رائے بیجناتھ پرشاد غنیمت اور کنور اور تکھراج بہادر رحمتی خاص طور پر یاد رکھنے کے لایق ہیں۔

پیش نظر تذکرہ میں ۱۲۵ ہندو شعرائے بہار کے حالات اور نمونہ کلام پیش کئے جاتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہندو شعرائے بہار کی تعداد اسی قدر ہے۔ افسوس ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود بہتیرے شعرا کے حالات اس قدر نہ مل سکے کہ اس تذکرہ میں درج کئے جا سکیں بعض پرگو اور صاحب دیوان

ہند و شعرا کے کلام دستیاب نہ ہوئے۔ غرض جس قدر حالات میں جمع ہوسکے اسی پر اکتفا کی گئی ان شعرا کو تین ادوار میں تقسیم کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ دَور متقدمین میں وہ شعرا ہیں جو تخمیناً ۱۲۰۰ھ تک سخن طرازی کرتے تھے۔ دَور متوسطین میں وہ شعرا ہیں جو تقریباً ۱۲۰۱ھ سے ۱۳۰۰ھ کے درمیان مشقِ سخن کرتے تھے اور دورِ متاخرین میں وہ شعرا ہیں جنھوں نے ۱۳۰۱ھ سے اس تذکرہ کی ترتیب کے وقت تک یعنی ۱۳۸۰ھ تک شعر و سخن کا بازار گرم رکھا ہے یہ ہند و شعرائے بہار کا پہلا تذکرہ ہے اور اس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ صوبہ بہار میں فارسی اور اردو زبان و شاعری کے رواج و ترقی میں ہندوؤں نے کس کشادہ دلی سے حصہ لیا ہے اور اب تک لے رہے ہیں۔

محو کیا نقشِ محبت ہو کہ اربابِ وفا
جتنے مٹتے گئے اتنے ہی نمودار ہوئے

(راسخ عظیم آبادی)

راقم

فصیح الدین بلخی

محلہ گذری پٹنہ سیٹی ۸

۳۱ جولائی سنہ ۱۹۶۱ء

فہرست

متقدمین ہندو شعرائے بہار

سنہ ۱۲۰۰ھ تک

(۱) گویا تخلص اور نند لال نام۔ ہندو شعراء میں ان سے بہتر صوفی منش فارسی گو شاعر کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اسپرنگر کے کٹالاگ میں بھی گویا کا مختصر ذکر ہے۔ سکھوں کے نویں گرو گرو گوبند سنگھ کے رفیق و ہمدم تھے۔ عرصہ تک عظیم آباد اور ترہت میں رہے۔ گرو گوبند سنگھ سنہ ۱۶۶۶ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے تھے اور انہی کے سبب سے پٹنہ میں ہر مندر سکھوں کی مقدس و مشہور و معروف زیارت گاہ ہے۔ نند لال گویا کے کچھ حالات پنجابی زبان میں کتابی صورت میں طبع ہوئے تھے۔ غالباً امرت سر میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ گویا کا دیوان نایاب تھا لیکن حسن اتفاق سے ایک دوست نے مجھے لا کر دیا۔ اس کے آخر میں کاتب نے گویا کے کچھ حالات بھی لکھے ہیں وہ اس جگہ بجنسہ نقل کئے جاتے ہیں۔

"مخفی نماند کہ دیوان ہذا از نند لعل متخلص بہ گویا مذہب داہی یعنی نانک شاہی است و دریں مقام قصبہ منظفر پور از بہ مجبور جناب مستطاب قبلہ عالم و عالمیان رائے رایان کالکا سہائے نراندر بہادر دام اجلالکم و افضالکم کہ خاکسار یکے از ادنیٰ ترین

شاگردان خط غزدی یعنی ایں خط شفیعا جناب موصوف است ذکر ایں دیوان آمدہ۔ آخرش روزے بمقام بکھرہ حین درستگی ذخیرہ کتب ہاے ایں اوراق چند از نظر ایں عقیدت مند گذشت وبخاطر پیوست کہ صاف شود و مرضی مبارک ہم جناب ممدوح برہمیں امر مستحکم آمد چنانچہ حسب الامر جناب قبلہ معظم ایشاں ایں ہیچمدان در روزے چند قلم بند گردانید و بتاریخ ہفتدہم ساون سمبت ۱۹۱۸ موافق ہشتم ماہ اگست سنہ ۱۸۶۱ عیسوی مطابق ۲۹ شہر محرم الحرام افاضت برکاتہ الی الایام روز پنجشنبہ صورت اختتام پذیرفت اگرچہ چنانکہ خواست آنچناں راست نہ آمد۔ بہر کیف از عدم صورت وجود یست انشاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی باقیست تا بار دیگر بوجہ احسن و تمم پزیر خواہد شد مضمون ایں دیوان آں ماند کہ ہیچماں مثل گویا جویا باشد۔ تعریف و توصیف مضامین ایں دیوان چہ بہ طرز دسبحان اللہ چہ باید گفت۔ انچہ از زبان مبارک جناب قبلہ ممدوح مسموع شدہ بود ازاں بالمضاعف یافت، کہ ایں مضمون عارفانہ است ہر کہ وہ بدماغ ایں رسیدن نمی تواند۔ واہ گرد جی سخن بادشاہ، و در لمتاحی ایں دیوان یک رباعی طبع زاد جناب سید تراب علی صاحب و قبلہ دام فیضہ کہ الحق ایں چنیں مرد مسلمان کہ ایمانش بہ ہمہ وجوہ از اکل حلال و صدق مقال مسلم باشد دیگر ندیدم و ممدوح الیہ متوطن بکھرہ اند و از ماہنوداں بسیار ربط دارند مندرج بود نیز خواست کہ رباعی مذکورہ ہم کہ یادگار آں بزرگوار است در ذیل ثبت باشد

چنانچہ در ورق قلم تبدیل شود۔ الٰہی توفیقِ حق پرستی رفیق باد۔"

افسوس ہے کہ وہ ورق جس پر سید تراب علی صاحب کی رباعی لکھی غائب ہے اور دیوان کا اول ورق بھی غائب ہے جس سے پہلی غزل ناتمام رہگئی ہے لیکن باقی دیوان مکمل اور نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔

ذیل میں دیوان سے بلا انتخاب کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ سارا دیوان عارفانہ کلام سے مملو نظر آتا ہے اور اشعار کی زبان بھی ایسی سلیس ہے کہ حافظ شیرازی کی تقلید معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو

کسے بحال غریبان نارسا نرسد — رسیدہ ایم بجائے کہ یار ما نرسد
ہزار خلدِ بریں را بہ نیم جو نخرند — ازاں کہ ہیچ بداں کوے دلربا نرسد
طبیب عشق چنیں گفتہ است دمی گوید — بحال درد غریباں بجز خدا نرسد
فدائے خاک درش می شود ازاں گویا — کہ ہر کہ خاک نگردد بمدعا نرسد

درونِ مردمک دیدہ دلربا دیدم — بہر طرف کہ نظر کردم آشنا دیدم
بگرد کعبہ و بتخانہ ہر دو گردیدم — دگر نیافتم آنجا ہمیں ترا دیدم
بہ ہر سوے کہ نظر کردم از رہِ تحقیق — بسانِ خانۂ دل خانۂ خدا دیدم
گدائیِ سرکوے تو بہ ز سلطانی ست — خلافتِ دو جہاں ترک مدعا دیدم
مرا ز روز ازل آمد ایں ندا گویا — کہ انتہاے جہاں را در ابتدا دیدم

از دوست غیرِ دوست تمنا نمی کنیم — با دردِ سر خوشیم و مداوا نمی کنیم
با یار ہمدمیم و نہ بینیم غیرِ او — ما آرزوے خضر و مسیحا نمی کنیم
بیمارِ نرگسیم کہ نرگس غلامِ اوست — ما چشم را بروے کسے وا نمی کنیم
ہر جا کہ دیدہ ایم جمالِ تو دیدہ ایم — ما جز جمالِ دوست تماشا نمی کنیم

پروانہ دار گرد رخ شمع جاں دہیم | چوں عندلیب بیہودہ غوغائی کنیم
گویا خموش باش کہ سودائے عشق یار | تا ایں سراست از سر خود وا نمی کنیم

(۲) **الفت** تخلص اودراجا گرچند نام۔ عظیم آباد کے متقدمین ہندو شعرا میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے شاعری کے علاوہ انشا پردازی میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آغا حسین عاشق مولف تذکرہ نشتر عشق' بندا بن خوشگو مولف سفینۂ خوشگوار، ڈاکٹر عبد اللہ مصنف' ادبیات فارسی میں ہندوں کا حصہ' اور مولوی عزیز الدین بلخی مولف تاریخ شعرائے بہار نے ان کا ذکر کیا ہے اور پروفیسر سید حسن عسکری صاحب نے رسالہ معاصر نمبر ۳ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۳ء میں الفت پر ایک مقالہ شایع کیا ہے جس کو انہوں نے "انشائے غریب" کا نادر نسخہ دستیاب کرنے کے بعد لکھا ہے۔ اس مقالہ کی بدولت الفت کی ایک اردو غزل اول اول منظر عام پر آگئی۔ اس میں عسکری صاحب نے الفت کے ایک خط مورخہ ۲۵ ر شعبان ۱۱۴۲ھ بنام نواب فخر الدولہ صوبہ دار بہار کا بھی ذکر کیا ہے۔ فخر الدولہ سلطنت مغلیہ کے مقرر کئے ہوئے آخری صوبہ دار بہار تھے ان کے برطرف ہونے پر صوبہ بہار کی حکومت ناظم بنگالہ شجاع الدین محمد خاں کے سپرد ہوئی اس لئے یہ خط بھی تاریخی اہمیت سے خالی نہیں۔

عسکری صاحب نے ریختہ میں الفت کے پندرہ اشعار نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ کتابت کی خرابی کے سبب بعض الفاظ صحیح طور پر پڑھے نہ گئے۔ ڈاکٹر اختر اورینوی نے انہیں اشعار میں سے آٹھ شعر اپنے ڈی لٹ کے تھیس میں نقل کئے ہیں عسکری صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولف تاریخ

شعرائے بہار کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اجا گرچند پہلے غربت تخلص کرتے تھے دام الفت میں گرفتار ہو کر الفت تخلص اختیار کیا۔ عسکری صاحب نے ان کا تخلص غریب بتایا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی ہے غالباً انہوں نے ریختہ کی غزل کا آخری شعر :۔

یا رب غریب ملک معانی کو رہنما شکل مہیب و صورت زیباسیں کام کیا

دیکھکر ایسا قیاس کیا تھا راقم کو خیال ہوا کہ انشائے غریب اور دیوان الفت کو بغور دیکھکر تخلص کی توثیق کی جائے۔ انشائے غریب کا واحد نسخہ جس میں دیوان الفت بھی شامل ہے۔ کے پی جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ملک ہے راقم نے اس کو دیکھا تو حیرت ہوئی کہ اس میں ریختہ کے پندرہ اشعار اور فخر الدولہ کے نام الفت کے خط کا کہیں پتا نہیں۔ میں نے عسکری صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اشعار اور خط اب اس نسخہ میں موجود نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نسخہ فروخت ہونے کے لئے آیا تھا یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور میں نے نقل کر لی تھیں لیکن بعد میں یا تو فروخت کرنے والے نے وہ اوراق نکال لئے یا جلد سازی کے وقت وہ اوراق خستہ حال اور بیکار سمجھکر ضائع کردیے گئے۔

بہر کیف اس نسخہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تخلص کی نسبت عسکری صاحب کا قیاس صحیح تھا۔ الفت نے کسی وقت میں غریب تخلص کیا تھا۔ دو مقطعوں میں لفظ غریب الفت کے ساتھ آیا ہے اسلئے غریب تخلص کرنا صریحاً ثابت نہیں ہوتا جیسے

غم یا یہ ما نیابد . . . . که حال پرسد یہ دل غریب الفت

دو ورق پھٹا ہوا ہے اور الفاظ غائب ہیں ان کی جگہ نقطے دیدے گئے ہیں

مدار شیوہ نمودیم آہ یار بگفت

غریب الفت ما خیر خواہ ہر فن بود

لیکن ایک خط کے ساتھ غزل اصلاح کے لئے بھیجی ہے اس کے مقطع میں غریب ہی تخلص کیا ہے اور انشائے غریب الفت صـ۴۹ میں ایک نظم ہے جس کے آخری شعر میں 'غریب' بطور تخلص کہا ہے۔ یہ دونوں شعر ملاحظہ ہوں۔

همنشینے نیست بهتر از کتاب   در میان خلوتِ دلہا غریب

اماں از کارِ ایں غولاں نجوی   غریب از کار اینہا چند گوی

راقم کا خیال ہے کہ مولف تاریخ شعرائے بہار نے جس تذکرہ کو دیکھکر تخلص بجائے غریب کے غربت قیاس کیا اس میں لفظ غریب کے آخری دو حروف کے نقطے نہ ہوں گے۔ دونوں لفظوں میں تجنیس خطی ہے نقطہ نہ ہونے کی صورت میں غریب اور غربت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

راقم نے انشائے غریب اور دیوان الفت بہ نظر تحقیق دیکھا ہے اسلیئے ان کی کیفیت مختصر طور پر عرض کرنا فایدے سے خالی نہ ہوگا۔

دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں مجلد ہیں جس کی تقطیع ۸ انچ × ۷ انچ ہے کاغذ دیسی ادنی ہے۔ انشا کی کتاب کے متعدد اوراق غایب ہیں اور دیوان کا بیشتر حصہ آتش زدہ ہے بعض جلے ہوئے اوراق پر دوسرا کاغذ چسپاں کردیا گیا ہے جس سے بہت سے مصرعے ناقص رہ گئے ہیں اس کے علاوہ کاتب نے بھی بعض غزلیں ناتمام چھوڑ دی ہیں اس مجموعہ میں اول رقعات ہیں اور بعد میں دیوان ہے۔ کتاب نستعلیق میں لکھی گئی ہے لیکن بعض جگہ شکست

کی سی کیفیت ہے۔ رقعات کی ترتیب مصنف نے اس طور پر کی ہے۔

(۱) قسم نخستین مشتمل بر ترائف مرسول بخدمت امرایان و بزرگان فیاض زمان (اول ورق سے ۲۹ ورق تک)

(۲) قسم دویم ملحق ملاطفات شوق آیات مرقومہ بمخلصان یکدل و یکجان (.... ورق ۳۰ سے ۵۲ تک)

(۳) قسم سویم بمتفرقات مثل توصیف ہولی و مبارکباد شادی و عید و رمضان وغیرہ (ورق ۵۳ سے ۵۹ تک)

ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے

اے پر گہر ز نام تو درج مقالہا   سرشار نطق از مئے حمدت لیالہا

دوسرے ورق پر یہ عبارت ہے۔ "این نامہ نامی موسوم بانشائے الفت غریب نمودہ شد"۔ انسٹھویں ورق پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے۔

"تمامی نسخہ انشائے غریب تصنیف منشی اجاگر چند صاحب کایستھ ماتھر سوکلی (؟) بیکنٹھ باشی بدست خام بندہ گمنام فقیر حقیر ہیرا لعل یکے از طلبہ جناب قبلہ و کعبہ جناب راجہ پیارے لعل صاحب مدظلہ العالی بتاریخ بست و یکم شہر ربیع الاول ۱۲۰۷ھ ہجری تمام شد"۔

اس کے بعد پھر رقعات کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو صفحہ ۸۰ پر ختم ہوا ہے۔ پہلا ورق غایب ہے اسلئے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہ ہو سکا جو رقعہ مندرج ہے اس شعر سے شروع ہوا ہے۔

بہ طاجی ماہ جی فتنۂ قامت   نمک پروردۂ شور قیامت

چند سطروں کے بعد راجا رام نراین کی کشتی کی تعریف میں ذیل

مضمون ہے اس کے بعد نواب شوکت جنگ پسر صولت جنگ (حاکم پورنیہ) کے گھوڑے کی تعریف ہے۔ رقعات کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الفت کے تعلقات بہت وسیع تھے تمام مکتوبات امرا، حکام، مشاہیر شعرا، ادبا اور ممتاز اشخاص کے نام ہیں جن کی تاریخی، سیاسی، ادبی اور سماجی اہمیت مسلم ہے۔ رقعات کی تعداد ۱۴۰ ہے جن میں مبارک باد سنہ سال ہشتم جلوس محمد شاہ بادشاہ غازی حسب الایما راجا رام نراین لکھی ہے (سال ہشتم ۱۱۳۳ھ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت الفت ایک مشاق انشا پرداز تھے) رقعات جو مختلف اشخاص کے نام ہیں ان میں دس رقعے بنام راجا رام نراین، پچیس بنام بلاس رائے رنگین، تین بنام لالہ بندرابن خوشگو شاگرد سراج الدین علی خاں آرزو ایک بنام افصح الشعرا میر محمد علیم تحقیق، دو بنام میر محمد حسین خلف میر محمد علیم تحقیق، ایک بنام راجا کیرت سنگھ، دو بنام رائے اودے چند دیوان نواب سراج الدولہ ایک از زبان مولوی محمد حسن بنام نواب ہیبت جنگ، ایک بنام رائے بالمکند در تو عہ راجا کیرت سنگھ، ایک بنام شیخ علی حزیں، ایک بنام میر اشرف ایک بنام راجا دھیرج نراین، دو بنام لالہ مول راج عزت (کہ بہ تقریب گیا از شاہجہاں آباد رسید) ان کے علاوہ اور خطوط بھی معزز اور سربرآوردہ اشخاص کے نام ہیں محض طوالت کے خوف سے اس جگہ ان کا ذکر نہ کیا گیا۔

الفت نے اپنے استاد تحقیق کی وفات پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا اور سفینۂ خوشگو میں درج کرنے کے لئے بندرابن خوشگو کو بھیجا تھا اس کا ذکر ایک خط میں موجود ہے جو بجنسہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

"بخدمت نخل بند بوستانِ نکتہ دانی چشم وچراغ معانی میر محمد حسین صاحب خلف الصدق قبلہ ارباب تدقیق میر محمد علیم صاحب تحقیق ابلاغ یافت"۔

"میر صاحب قدر دان رسوخیت کیشان سلامت"۔

"اشعار انتخابی دیوان میر صاحب و قبلہ رحمت اللہ خدمتگار سرکار رسانید انشاء اللہ تعالیٰ لالہ خوشگو صاحب سلمہ المنان داخل تذکرۃ الشعرا نمایند احوال ہم حسب الارقام عالی بشرح وبسط تلمی می فرمایند قطعہ تاریخ وصال میر صاحب مغفور کہ طرح کردہ احقر بود ارسال بسامی خدمت نمود از نظر معالی منظر خواہد گزشت"

آں میرِ علیم رمز معنی جا کرد	در خلوتِ عرش نوقِ چرخ ازرق
افتاد ستونِ کاخ 'فطرت' افسوس	شد گلشن تحقیق خرد بے رونق
در ماتمِ او کرد سخن جامہ سیاہ	چوں گریہ نمود خامہ از دیدہ شق
در خونِ جگر دلِ سیہ پوش زغم	زد غوطہ چو داغِ لالہ در رنگِ شفق
تاریخ وفات او بالفت ہاتف	فرمود کہ تحقیق شدہ واصل حق

۱۱۷۱ھ

قطعہ کے دوسرے شعر میں فطرت سے مرزا معز موسوی فطرت مراد ہیں جو تحقیق کے استاد اور مشہور و معروف اہل زبان شاعر واستاد فن تھے گیارہویں صدی ہجری کے اخیر میں اورنگ زیب نے ان کو عظیم آباد کا شاہی دیوان مقرر کیا تھا۔

دیوان الفت

دیوان الفت ۱۳۸ صفحوں پر خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ بہت سی غزلیں کاتب نے ناتمام چھوڑ دی ہیں اور اکثر اوراق آتش زدہ ہیں۔ اول صفحہ پہ یہ عبارت ہے۔

" دیوان منشی اجاگر چند بکینٹھ باشی متخلص بہ الفت ابن لالہ مہابلی سرگ باشی۔ جد مادری راجا پیارے لعل الفتی تخلص مدظلہ العالی "

قبل میں مذکور ہو چکا ہے کہ ترقیمہ میں کاتب نے اپنا نام ہیرا لعل بتایا ہے، الفتی کے بیٹے کنور ہیرا لعل رضمیر اتھے غالباً وہی اس مجموعہ کے کاتب ہیں۔

نمونہ کلام

الفت نے جو غزل شیخ علی حزیں کے پاس اصلاح کے لیے بھیجی تھی اسی کو بطور نمونہ کلام پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس میں حزیں کی شاگردی کا بھی اعتراف ہے۔

من از دردِ جدائی خاطر اندوہگیں دارم ۔ کہ دشمن در بغل ہمچون دلِ خود در کمیں دارم
تسلسل تا ابد تا رِ سر شکم را شود لازم ۔ نظر از بسکہ ہر زنجیر زلفِ عنبریں دارم
بجائے نالہ ام در سینہ سروِ نازمی روید ۔ زلس در دل خیالِ قامتِ آں نازنیں دارم
بخاک افتادہ چوں من زِ عالم برنمی خیزد ۔ بسانِ نقش پا در کوئے او سر بر زمیں دارم
دلم از بستگی ہا نقد ہمت در گرہ دارد ۔ نہ ہمچو کاکل او عقدہ در خاطر زکیں دارم
بہ ہفت اقلیم گردد نام کفرِ عشق او روشن ۔ کہ اسم آں صنم نام خدا نقش نگیں دارم
بدام آورد نش صیادِ من آساں نمی باشد ۔ دل دیوانۂ آں چشمِ وحشت آفریں دارم

مبادا سیل اشکِ دیدہ از سر گزرد یا رب — زراہِ کوچۂ آں شوخ گردے بر جبیں دارم

بفوجِ غمزہ غارتگر نگاہے گشتہ مہمانم — چہ سازم نذرِ او یا رب دلِ دارم دینِ دارم

زسوزِ گریۂ ہجرانِ رخسارش چہ می پرسی — صد آتش پارۂ لختِ جگر در آستیں دارم

تراود نکتہ ہائے آبدار از خامۂ الفت — کہ بہ ساعت نظر بر فیضِ استادِ حزیں دارم

نمونہ کلام ریختہ

ریختہ میں الفت کی ایک غزل ہی دستیاب ہوئی ہے جس کو عسکری صاحب نے اپنے مقالہ میں درج کیا تھا وہی اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

خلوت نشینِ غم کو تماشا سیں کام کیا — مخمورِ جامِ عشق کو صہبا سیں کام کیا

دیوانۂ محبتِ بے اختیار کون — تکلیفِ جالِ محبتِ دانا سیں کام کیا

مستِ مئے الست کہ ہے تشنۂ دگر — جامِ شرابِ کہنہ و مینا سیں کام کیا

آباد بادِ ملکِ قناعت و مردمی — ویرانۂ خرابیٔ دنیا سیں کام کیا

جس کو ہے زورِ ہمتِ بازوئے مردمی — ارثِ پدر و خانۂ بابا سیں کام کیا

آزاد کہ ہے قفلِ خموشی بہ بابِ لب — جون د ترئے . . . . گویا سیں کام کیا

صاحب سخن سوں صحبتِ جاہل . . . — [illegible] . . . . . وگوہرِ یکتا سیں کام کیا

پروردہ آفتابِ محبت کو روزِ حشر — باغ نعیم و سایۂ طوبیٰ سیں کام کیا

جس کو ہے داغِ سینۂ و آتش تمام دل — سیرِ گل و تفرجِ لالہ سیں کام کیا

لیتا متاعِ دل کا کفِ اختیار سوں — سودائے عشق و بے سر و سودا سیں کام کیا

جس کو تپِ جدائی کا مرض لگیا ہے — نازِ طبیب و تابِ دوا سیں کام کیا

ترکِ وجود درسِ محبت کا ابتدا — بے مسئلہ بہ صحبتِ ملا سیں کام کیا

جائے کہ بوریائے نشیناں قدم نہند — فرشِ سمور و بسترِ دیبا سیں کام کیا

حاکم سوادِ ارض . . . [illegible] — ملکِ شہ سکندر و دارا سیں کام کیا

یارب غریب ملک معانی کو رہ نما　　　شکل مہیب صورت یا سین کام کیا

انشائے غریب اور دیوان الفت میں دو ایسی چیزیں بھی پائی گئیں جس کو بظاہر الفت سے کوئی تعلق نہیں انشائے غریب کے صفحہ اول پر مرزا جلال الدین محمد کی لکھی ہوئی ایک رسید مبلغ پچاس روپیہ کی ایک انگریز حاکم کے نام سے ہے جس میں ۱۳ جنوری ۱۸۲۰ء ۶ تاریخ بھی درج ہے اور دیوان کے ایک صفحہ پر بسمبھوذت رفعتی شاگرد الفتی کا کہا ہوا ایک قطعہ تاریخ ہے اس کی کیفیت رفعتی کے حالات میں درج کی جائیگی۔

(۳) **موزوں** مہاراجا رام نرائن نائب ناظم صوبہ بہار۔ فارسی کے صاحب دیوان اور خوشگو شاعر تھے۔ شیخ علی حزیں (متوفی ۱۱۸۰ھ) کے شاگردوں میں تھے۔ موزوں کا مطبوعہ دیوان جو ۳۸۴ صفحوں کو محیط ہے راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط کا ایک مجموعہ موسوم بہ دستور الانشا بھی ان کے وارث رائے متھرا پرشاد صاحب کے پاس ہے جس میں سیکڑوں مکتوبات ہیں جو اس عہد کے سیاسی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں یہ بھی راقم کی نظر سے گزر چکا ہے۔ سفینہ خوشگو میں بھی ان کا ذکر ہے۔ ان کی سیاسی زندگی اور عہد حکومت کو صوبہ بہار کے تاریخی اور انقلابی دور سے تعلق ہے اسلئے صوبہ بہار کی تمام تاریخوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ تمام حالات اور واقعات کو اس جگہ درج کرنے کی گنجائش نہیں اسلئے ضروری حالات مختصراً لکھے جاتے ہیں۔

ان کے والد دیوان رنگ لال کاستھ سری باستو ساکن موضع کشن پور ضلع شاہ آباد (آرہ) صوبہ بہار، نواب علی وردی خاں مہابت جنگ

ناظم بنگال، بہار و اڑیسہ کے معتمد دیوان تھے۔ لالہ جانکی رام نائب صوبہ بہار کے مرنے پر ۱۷۵۲ء میں مہابت جنگ نے راجا رام نرائن کو ان کی جگہ پر مقرر کیا۔ مہابت جنگ اور سراج الدولہ کے عہد تک انھوں نے صوبہ داری کا انتظام وفاداری کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد میر جعفر کی نظامت کے دور میں انھوں نے زمانہ سازی اور ظاہرداری سے کام لیا۔ اسی زمانہ میں شاہزادہ عالی گوہر (جو بعد کو شاہ عالم ثانی کے لقب سے بادشاہ ہوا) بہار و بنگال پر قبضہ کرنے کے قصد سے صوبہ بہار چلا آیا۔ شہر میں اس کی آن بان اور شان و شوکت کا شہرہ تھا اور میر جعفر اور انگریزوں کے ارادہ کا حال معلوم نہ تھا۔ رام نراین نے مرعوب ہو کر اپنے مصاحب محمد شاکر کی معرفت ایک سو ایک اشرفی مع عرض داشت شاہزادہ کے پاس بھیجی اور حاضری کا قصد کیا اور محمد قلی خاں کو اپنا طرفدار بنا کر شاہزادہ کے پاس حاضر ہوا اس وقت غلام حسین خاں (مولف سیر المتاخرین) نے متنبہ کیا کہ رام نراین عیار ہے اس کو ساتھ لے کر فوراً شہر پر قبضہ کر لینا چاہیئے لیکن ان کے والد نواب ہدایت علی خاں نے کہا کہ شاہان مغلیہ نے کبھی کسی کے ساتھ دغا نہیں کی ہے اور محمد قلی خاں کو یہ زعم تھا کہ ان کی تلوار کے آگے کسی کی عیاری کیا چلے گی۔ شاہزادہ پھلواری کے قریب خیمہ زن ہوا تھا اسی جگہ راجا رام نراین بھی حاضر ہوا۔ رسوم دربار کے مطابق وہ آداب و کورنشات بجا لانے پڑے جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ رنگ فق چہرہ اداس، لب خشک حیران رہ گیا۔ نذر کی اشرفیاں پیش کر کے خلعت (سرپیچ و جیغہ مرصع کلغی جو شاہزادوں کے لئے مخصوص تھا) حاصل کیا لیکن شاہزادہ کے ساز و سامان کو اپنے گمان سے کم دیکھ کر

دل میں پشیمان ہوا اور کھانے کا حیلہ کر کے گھر واپس آیا۔ کچھ دنوں کے بعد ہی شاہزادہ نے قلعہ عظیم آباد کے قریب آکر قیام کیا۔ اس وقت تک رام نراین ظاہرا مدارات کرتا رہا۔ میر جعفر کو خبر پہونچی تو اول شاہزادہ کو کچھ روپے دیکر جنگ سے باز رکھنے کا ارادہ کیا لیکن اس کا سامان نہ ہو سکا تو کلایو کے مشورہ سے کرنل کیلاڈ اور میرن کو فوج لیکر روانہ کیا اس کی خبر پاتے ہی رام نراین نے تیور بدل دئے محمد قلی خاں کے عملوں کو جو صوبہ کا حساب دیکھنے آئے تھے یہ کہکر نکلوا دیا کہ آپ کیا سمجھ کر تحکم کرتے ہیں۔ میں ناظم بنگالہ کا ماتحت ہوں آپ کا نوکر نہیں۔ ابتک جو کچھ کرتا تھا رسم مہمان داری کرتا تھا۔ یہ سنتے ہی شاہزادہ نے تسخیر عظیم آباد کا حکم دیا قریب تھا کہ قلعہ مفتوح ہو جائے لیکن اچانک محمد قلی خاں کو اطلاع پہونچی کہ شجاع الدولہ اس کی غیبت میں قلعہ الہ آباد پر قبضہ کیا چاہتا ہے اسلئے وہ اُدھر روانہ ہو گیا اور شاہزادہ کو جنگ ملتوی کرنی پڑی۔ اس کے بعد ہی عالمگیر ثانی نے انتقال کیا اور شاہزادہ بادشاہ ہوا۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں کامگار خاں معین اور بعض زمینداروں کو ساتھ لیکر بادشاہ نے رام نراین اور انگریزی فوج کے خلاف جنگ کرکے شکست دی اسی جنگ میں کامگار خاں نے رام نراین کو نیزے سے سخت مجروح کیا بلکہ اپنی دانست میں مار ڈالا تھا لیکن اس نے تختہ ہودج کی آڑ میں لیٹ کر کسی طرح جان بچائی۔ اسی سال کی دوسری جنگ میں انگریزی فوج نے شاہی فوج کو شکست دی اس میں رام نراین اور شتاب رائے نے بھی حتی المقدور انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔

سنہ ۱۷۶۱ء میں انگریزوں نے میر جعفر کو معزول کرکے میر قاسم کو مسند

نظامت پر بٹھایا۔ میر قاسم نے رام نراین سے صوبہ کے محاصل کا محاسبہ چاہا۔ رام نراین نے حیلہ حوالہ کیا اور انگریزی فوج کے افسروں سے خفیہ میر قاسم کی شکایتیں شروع کیں اور ان کو یقین دلایا کہ میر قاسم انگریزوں پر چھاپا مارنے کا قصد رکھتا ہے۔ جنرل کوٹ نے اس کا یقین کر کے اچانک میر قاسم کی خرگاہ پر دھاوا کیا تو میر قاسم کو خواب راحت میں پایا اور اس پر رام نراین کی فتنہ انگیزی کا حال کھلا۔ کلکتہ میں کونسل کو معلوم ہوا تو اس نے جنرل کو واپس بلا لیا اور میر قاسم کو لکھا کہ رام نراین کے معاملہ میں تم کو اختیار ہے۔ میر قاسم نے حساب طلب کر کے دیکھا تو شاید بعض خیانتوں کا پتا چلا۔ رام نراین نے سررشتہ کا محاسبہ کم کرنے کی غرض سے بعض متصدیوں کو روپوش کرا دیا لیکن میر قاسم نے رام نراین کے گھر سے سات لاکھ روپے نقد اور تخمیناً اسی قیمت کی جنس برآمد کی۔ باقی رقم جو دوسروں کے پاس چھپا دی گئی تھی اس کا پتا نہ ملا۔ میر قاسم نے رام نراین کی جگہ پر راجا نوبت رائے کو مقرر کیا۔

سنہ ۱۷۶۳ء میں میر قاسم کی انگریزوں سے ان بن ہوئی اور جنگ کی نوبت پہونچی اس وقت جگت سیٹھ، سروپ چند، راج بلبھ، فتح سنگھ، بنیاد سنگھ جو انگریزوں سے خفیہ ملے ہوئے تھے اور ان میں سے بعضوں نے میر قاسم کے خلاف انگریزوں کو خطوط بھی لکھے تھے اور اب تک میر قاسم کی قید میں تھے قتل کرا دئے گئے اور اس کے بعد ہی قصبہ باڑھ کے قریب راجا رام نراین کو گلے میں ریت کا گھڑا بندھوا کر گنگا میں غرق کر دیا گیا مفصل حالات راقم نے تاریخ مگدھ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند سنہ ۱۹۲۵ء میں لکھے ہیں۔

مشہور صاحب دیوان شاعر ہونے کی حیثیت سے ان کا ذکر اکثر

تذکروں میں پایا جاتا ہے۔ سفینۂ خوشگو میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن اور سخن شعرا مولفہ نساخ میں بھی ان کا ذکر راقم کی نظر سے گذرا ہے۔ ان کے فارسی کلام کا نمونہ ان کے دیوان سے اور اردو اشعار جو تذکروں میں پائے گئے اس جگہ پیش کئے جاتے ہیں۔ اردو بہت کم کہتے تھے گنتی کے صرف چند اشعار ان کی طرف منسوب ہیں۔

فارسی

روشن بود ببزم خموشی بیان ما — چوں شمع سوختن نالۂ ما بر زبان ما
خوں در جگر نماند و خدنگے تو می رسد — حیف است ایں کہ تشنہ رود میہمان ما
عمرے ست بر سگان درت وقف کردہ ایم — در قسمت ہما نبود استخوان ما
از بخت نارسا نرسد تا بگوش یار — موزوں پر است گرچہ جہاں از فغان ما

⁘

دی شب کہ کار بلبل دل آہ و نالہ بود — خون جگر بہ مردم چشم حوالہ بود

⁘

گرچہ بروے تو چوں آئینہ حیراں گشتم — لیک از عکس رخش رشک گلستاں گشتم
در چنیں فصل کہ ہر خار چمن گل گردید — بخت بد بیں کہ من از نالہ سرایاں گشتم
تا سخن ہائے من از فیض حزیں موزوں شد — بغزل شہرۂ محمود ہزاراں گشتم

⁘

دل خواستیم کہ اشک تماشا شود نشد — امید قطرہ بود کہ دریا شود نشد
گم گشت دل بکوے تو از دست بیخودی — ہر چند خواستیم کہ پیدا شود نشد
دیگر کجاست چشم ز بیگانگاں مرا — یک لحظہ خواستیم دل از ما شود نشد
موزوں تمام عمر دریں آرزو گذشت — کارام قسمت دل شیدا شود نشد

⁘

تا کرد سوز عشق بجانم سرایتے — چوں شمع نیست گریۂ ما را نہایتے

موزوں بسوئے میکدہ ہر گہ کہ میرسم	از ماست التجا و ز ساقی عنایتے

رباعی

مے نوش کہ عمر جاودانی ایں ست	خوشتر بہ ہزار کامرانی ایں ست
ہنگام گل است در رُوئے یاراں سرمست	خوش باش دمے کہ زندگانی ایں ست

ریختہ

(۱) بھولی نہیں ہے مجکو بتوں کی ادا ہنوز	دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز
(۲) کچھ گرانی نہیں مجکو وہ ستمگار کے ساتھ	دل کھل چوہی پڑا اشک سبکبار کے ساتھ
(۳) ابر ہوگا تو خجالت ستی پانی پانی	مت مقابل ہو گے دیدۂ خونبار کے ساتھ

شعر نمبر ۲ چمنستان شعرا میں بھی موجود ہے اور شعر نمبر ۳ تذکرہ گلزار ابراہیم میں پایا جاتا ہے اور غالبًا اسی سے تاریخ شعراے بہار میں نقل کیا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ سراج الدولہ کے مقتول ہونے کی خبر کو سنکر موزوں نے فی البدیہہ مندرجہ ذیل شعر موزوں کیا تھا جس کو میر حسن نے بھی اپنے تذکرہ میں درج کیا ہے

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

راجا رام نراین نے اردو کے کچھ اور شعر بھی بعض موقعوں پر پڑھے تھے بعض لوگوں نے ان کو خود موزوں کے اشعار ہونے کا گمان کیا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں اور راقم کے خیال میں دوسروں کے اشعار تھے جن کو انہوں نے برمحل پڑھا تھا۔

(۴) **خاکستر** تخلص اور منشی سب سکھ نام، برادر راجا رام نراین موزوں

عظیم آبادی قوم کایستھ سری باستو۔ محمد فقیہ دردمند کے شاگرد تھے جو حضرت مظہر جان جاناں کی صحبت سے بہرہ مند تھے۔ تذکروں میں خاکستر کا صرف یہی ایک فارسی شعر پایا گیا جو بطور نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے۔

بہار گرد گلِ عارضِ عرقناکش
نگہ بچشم تماشا ز شوق برپا است

(۵) **رنگین** منشی بلاس رائے خلف راجا امان رائے (دیوان مدار المہام پسر محمد علی روہیلہ) متوطن عظیم آباد قوم کایستھ سری باستو۔ راجا رام نراین موزوں کے رفقا میں تھے۔ اجاگر چند اُلفت کے خطوط ان کے نام بھی پائے جاتے ہیں جس کا ذکر الفت کے حالات میں گزر چکا ہے۔ تاریخ شعرائے بہار کے مطابق ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا۔ تذکرہ عشقی میں ان کا ایک شعر ریختہ میں ملادہ یہ ہے۔

اس مصیبت میں جو تو گھر سے نکالے ہے مجھے
یہ تو بتلا میں بھلا جاؤں کدھر آخر شب

فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے۔

از دختر رز شیخ بفرسنگ گریزد
این مرد ببینید چہ نامرد برآمد

عشق از دلِ سینہ پر از آبلہ دارد
فریاد کہ آتش ز سینہ ام گلہ دارد

میر حسن کے تذکرہ میں رنگین کے اسی قدر حالات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور اردو کا وہی ایک شعر پایا جاتا ہے جو مذکور ہوا۔

(۶) **مسکین** لالہ بخت مل متوطن عظیم آباد۔ تاریخ شعرائے بہار کے مطابق ۱۱۹۰ھ تک زندہ تھے۔ مضمون آفرینی اور پرگوئی میں مشہور تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

روئے زمیں پہ جتنے بے یادِ حق ہیں پھرتے   وے آدمی نہیں ہیں ماٹی کی مورتیں ہیں

تذکرہ گلزارِ ابراہیم میں مذکور ہے کہ انھوں نے اشعار بہت کیے لیکن تحسین سے محروم رہے اس تذکرہ میں بھی ان کا یہی ایک شعر ہے۔

(۷) **بہادر** تخلص اور راجا بینی بہادر نام۔ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں صوبہ بہار کے راجاؤں اور ناظم بہار کے معتمدوں میں تھے۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ مولفہ اعظم الدولہ سرور نمبر ۲۰۶۱ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں ان کا ذکر یوں ہے۔

"بہادر تخلص راجہ بینی بہادر از راجگان صوبہ بہار است' از وست

سیاہی مو کی گئی، دل کی آرزو نہ گئی   ہمارے جامہ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی

تذکرہ سخن شعرا میں بھی ان کا یہی ایک شعر پایا جاتا ہے، کنور جسونت سنگھ پروانہ انہیں کے بیٹے تھے۔

(۸) **ذوق** منشی آسارام ساکن عظیم آباد شاگرد مرزا فدوی۔ میراشرف کے رفیق تھے تذکرہ شورش عظیم آبادی میں ان کا اسی قدر حال اور یہ اشعار ہیں۔

وہ نظر مجکو جب نہیں آتا   کچھ نظر مجکو تب نہیں آتا

دل جانتا ہے تیرے ہوا خواہ کا اسے   شعلہ کی طرح رات جو کچھ اضطراب تھا

ذوق کے مرنے کا افسوس نہیں کچھ اس کو   غم کہاں شمع کے دل میں کسی پروانے کا

دردِ دل کہنے نہ پائے آج بھی   بیٹھتے ہی یار تو اکتا گیا

اے عندلیب سچ کہہ کس کا ہے آج پیالہ   لالہ کرنے اٹھا افیون پہ دست لالہ

ٗ میر اشرف ٗ سے غالباً میر اشرف کشمیری پسر میر افضل کشمیری کا مراد ہیں

جن کا مزار اور انہیں کی بنوائی ہوئی مسجد محلہ چوک شکارپور میں موجود ہے۔
مزار اور مسجد میں کتبے بھی لگے ہوئے ہیں۔ سیر المتاخرین میں بھی ان کا ذکر ہے۔

(۹) **عاشق** مہاراجا کلیان سنگھ المخاطب بہ انتظام الملک ممتاز الدولہ تہور جنگ قوم کایستھ سری باستو خلف ممتاز الملک مہاراجا شتاب رائے بہادر منصور جنگ ۱۱۶۵ھ میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸۷ھ میں شتاب رائے کے مرنے پر یہ اپنے باپ کے خطابات سے مخاطب اور پچاس ہزار روپے سالانہ تنخواہ پر ان کی جگہ پر نایب دیوان صوبہ بہار مقرر ہوئے۔
۱۷۸۱ء میں مہاراجا کلیان سنگھ اور راجا خیالی رام نے ملکر انتیس۲۹ لاکھ اکیس ہزار ایک سو سات روپے سالانہ پر انگریزوں سے صوبہ بہار کا تعہد لکھوایا تھا۔ انگریزوں کو اس کے قبل تک اٹھائیس لاکھ سے زیادہ مالگذاری وصول نہ ہوئی تھی اسلئے یہ ٹھیکہ منظور کر لیا لیکن بعض وجوہ سے علاقوں کا خاطر خواہ بندوبست نہ ہو سکا۔ دوسرے سال انگریزوں نے مالگذاری کی رقم کسی طرح کلیان سنگھ سے وصول کی لیکن اس سے کلیان سنگھ کی مالی حالت اچھی نہ رہی۔ نیابت کا تعلق بھی نہ رہا تھا اس لئے پریشان ہو کر کلیان سنگھ نے عظیم آباد کو چھوڑ کر کلکتہ میں قیام کیا۔ مدت دراز تک وہاں رہنے کے بعد ۱۲۱۶ فصلی میں یہ پھر عظیم آباد آئے تو انہوں نے اپنے مکانات اور باغ کو ویران پایا اور اہل شہر کے التفات میں بھی کمی محسوس کی اسلئے باقی پور جا کر انگریزی حکام کی کوٹھیوں کے قریب بودو باش اختیار کی۔ بالآخر ۱۲۳۷ھ میں یا اس کے بعد انتقال کیا۔

کلیان سنگھ اپنے باپ کی طرح شعرا اور ادیبوں کے قدردان

ہونے کے علاوہ بذات خود تواریخ شاعری اور ادب میں کافی دستگاہ رکھتے تھے مثنوی زیبا، حبیب السیر مدح ایمہ اطہار اور اس کے علاوہ خلاصتہ التواریخ اور واردات قاسمی یادگار چھوڑیں یہ سب کتابیں فارسی میں ہیں تاریخی کتب انہوں نے مسٹر ابراہیم والیڈ کی فرمایش سے لکھی تھیں ان کتابوں کو انہوں نے ۱۲۲۷ھ میں تمام کیا اس وقت ان کی بصارت بھی جاتی رہی تھی چنانچہ خود لکھا ہے کہ جو کچھ لکھواتا ہوں حافظہ کے بھروسے پر لکھواتا ہوں خود مسودات کو پڑھنے سے معذور ہوں۔ خلاصتہ التواریخ کا انگریزی ترجمہ نواب سرفراز حسین خاں مرحوم نے اب سے کوئی تیس برس قبل کیا تھا جس کو ریسرچ اسٹیٹوٹ نے چھپوایا تھا اور واردات قاسمی کا ذکر بھی بعض انگریزی تاریخ میں انگریزوں نے کیا ہے۔ یہ اپنے باپ کی طرح صاحب تدبیر نہ تھے لیکن علمی صلاحیت ولیاقت میں اپنے مماثل واقران سے کسی طرح کم نہ تھے ناز ونعم میں پرورش پانے کے سبب عیش پسند تھے۔ شعرا کے اکثر تذکروں میں ان کا ذکر خیر پایا جاتا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

فارسی

نالاں ز غم فرقت مہ پارۂ خویشم — آوارۂ دشت از دلِ آوارۂ خویشم
باحسنِ پریزاد ندارم سروکارے — در آئینہ مشغول بہ نظارۂ خویشم
ساقی نبود حاجت من بامئے ناب — بیخود ز نگاہِ بت میخوارۂ خویشم

ریختہ

بچایا ہے جگر نے حشر کا سا شور پہلو میں — مگر دیکھا ہے یہ حالِ دلِ رنجور پہلو میں

ان کی سیاسی زندگی کے واقعات راقم نے تاریخ مگدھ میں لکھے ہیں۔

(۱۰) **گریاں** بھوانی سنگھ بہادر عرف راجا کنور مہاراجہ شتاب رائے کے بیٹے تھے مرزا محمد علی فدوی عرف مرزا بھجو سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ تذکروں میں ان کا صرف یہی شعر ملا۔

دل ہی نہیں ملے ہے ملے کیا نشانِ داغ مارنے سے ڈھونڈتا ہوں کروں کیا بیانِ داغ

(۱۱) **رقیم** منشی گر سہائے لال ولد منشی نور نراین لال ساکن ندرہ ضلع گیا فارسی و عربی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اردو شاعری میں شیخ ناسخ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ ان کا اردو کلام دستیاب نہ ہوا فارسی کا ایک شعر تاریخ شعرائے بہار سے نقل کیا جاتا ہے۔

در چمن وا اگر ایں عقدۂ گیسو گردد غنچہ غنچہ گرہِ نافۂ آہو گردد

(۱۲) **دل** منشی بینی پرشاد خلف منشی دیبی پرشاد قوم کالستھ ساکن عظیم آباد شاگرد راسخ عظیم آبادی ان کا حال اور یہ شعر ایک بیاض میں پایا گیا جو مؤلف تاریخ شعرائے بہار کو کسی نے دی تھی۔

پردہ اٹھا کے تو نے ادھر کو گزر کیا عالم کے دل میں تیری محبت نے گھر کیا
جی چاہتا ہے ہو لیئے ہرگز نہ یار سے پر بس نہیں چلے ہے دلِ بیقرار سے

(۱۳) **تحقیق** لالہ جیون رام ولد لالہ کرپا رام کایستھ سری باستو ساکن موضع شیودھا پرگنہ ترسہٹہ (صوبہ بہار) ان کے حالات کتاب آئینہ ترہت صفحہ ۲۰۷ اور صفحہ ۲۵۶ میں مندرج ہیں وہی اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں۔

"شریف و نجیب عالی خاندان صاحب علم و صاحب تصنیف و رئیس و صاحب معاش تھے۔ علوم عربی و فارسی میں شہرہ آفاق تھے۔ راجا مادھو

سنگھ بہادر، دربھنگا (۱۱۸۳ فصلی تا ۱۲۱۵ فصلی موافق ۱۸۰۸ء) کے دیوان تھے۔ شروع عملداری میں سرکار انگلشیہ کی جب رقم دستورات و نانکار وغیرہ مہاراجا مادھو سنگھ کا ضبط ہو گیا تھا اس وقت دیوان جی موصوف نے بڑی کوشش و پیروی کر کے ان رقومات کو واگذاشت کروایا اس کے صلہ میں موضع ہریپور پرگنہ بھورارہ مہاراجا مادھو سنگھ بہادر نے عطا کیا۔ وارثوں سے ان کے بالفعل (یعنی ۱۲۹۷ھ) جانکی بلبھ سنگھ و جدو بلبھ سنگھ موجود ہیں اس وقت زمانہ ان سبھوں کا ناموافق ہے۔

دیوان جی صاحب اشعار فارسی بھی کہتے تھے تحقیق تخلص کرتے تھے منشی رادھا لال جی حقیقی راقم تاریخ ہذا (یعنی منشی بہاری لال فطرت) کی اول شادی اس خاندان میں لڑکی سے بابو کشن بلبھ ولد بابو رام بلبھ نبیرہ دیوان جیون رام کے ہوئی تھی وہ لڑکی دیوان رام ناتھ مورخ پور کی نواسی تھی دیوان جی موصوف کا ایک شعر راقم کو یاد ہے لکھا جاتا ہے:

ہر عمل پختہ شود خام کہ در خانہ بماند چوں پلا ذر کہ دگر سال نماید در تلخ

افسوس ہے کہ تحقیق کا اور کلام دستیاب نہ ہوا اور ان کی تصنیفوں کا بھی پتا نہ ملا ممکن ہے کہ تلاش و جستجو سے ان کے موجودہ ورثا کا پتا مل سکے اور کلام و تصانیف بھی دستیاب ہو سکیں۔ اجاگر چند الفت کے رقعات میں ایک رقعہ لالہ جیون رام کے نام بھی نظر سے گذرا ہے۔

(۱۴) راجا تخلص اور راجا بہادر نام خلف مہاراجا شتاب رائے۔ اشرف علی خاں فغاں متوفی ۱۱۸۶ھ کے شاگرد تھے۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ نوشتہ سرور مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن، تذکرہ سخن شعرا اور تاریخ شعرائے بہار

میں ان کا ذکر موجود ہے نمونہ کلام یہی ایک شعر پایا گیا۔

یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہونچے ہم اُن تلک نہ پہونچے وہ ہم تلک نہ پہونچے

(۱۵) **بیدار** منشی بساون لعل تلمیذ حضرت مظہر جان جاناں عظیم آباد میں توطن اختیار کیا تھا عرصہ دراز تک یہاں رہے اور یہیں انتقال کیا۔ تذکرہ شورش عظیم آبادی اور تذکرہ عشقی عظیم آبادی دونوں میں ان کا ذکر ہے اور گارسن دتاسی نے بھی اپنے تذکرہ (زبان فرنچ) میں ذکر کیا ہے۔ ریختہ اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ریختہ کا نمونہ یہ ہے۔

ہے تیرے سوا کون مرا پوچھنے والا ہاں تجکو سلامت رکھے اللہ تعالیٰ

گرے لخت جگر یوں آنسوؤں کے ساتھ جاتے ہیں کہ جو پھولوں کی پنکھڑی لیکے پانی میں بہاتے ہیں

(۱۶) **فرحت** لالہ رام چند ساکن محلہ عالم گنج شہر عظیم آباد فارسی کے پرگو اور باکمال شاعر تھے ان کے مختصر حالات مرے پاس موجود تھے لیکن حسن اتفاق سے مرے کرم فرما مولانا عبد الرشید فوقانی ابن مرحوم علامہ شوق نیموی نے فرحت کی تصانیف کی مفصل کیفیت اپنی ذاتی واقفیت اور علامہ شوق کی تحریر کے حوالہ کے ساتھ محض ادبی ذوق کے تقاضے سے اس تذکرہ کے لئے ارسال فرمائی ہے۔ لہذا راقم شکریہ کے ساتھ اس کو درج کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "فرحت نے دیوان کے علاوہ دو دفتر میں مثنوی بھی لکھی ہے جس میں مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ اس کا پرانا قلمی نسخہ علامہ شوق نیموی مرحوم کے کتب خانہ میں محفوظ تھا اب میں محمد عبد الرشید فوقانی ولد شوق نیموی نے خدا بخش خاں مرحوم (بانکی پور پٹنہ) کے کتب خانہ میں داخل کر دیا ہے۔ جناب شوق نیموی مرحوم کتاب یادگار وطن

صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں۔ گنج شائگاں' یہ نایاب مثنوی لالہ رام چند متخلص بہ فرحت ساکن عالم گنج کی تصنیفات سے ہے جس میں مشہور قصہ حاتم طائی کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ اس کا پرانا قلمی نسخہ مصنف کے وقت کا لکھا ہوا جناب والد مرحوم کے ہاتھ آگیا تھا اس کا دوسرا دفتر موسوم بہ گنج بادآورد اسی شاعر کا کہا ہوا حسن اتفاق سے مجھکو مل گیا جس میں حاتم طائی کے وہ قصے ہیں جو آجتک نہ فارسی میں راقم کی نظر سے گزرے ہیں نہ اردو میں یہ دونوں دفتر فقیر کے کتب خانہ میں موجود ہیں جن کو بوجہ نایابی و حب وطنی راقم نہایت عزیز رکھتا ہے۔ مصنف نے دونوں دفتر میں حمد و نعت کو ذوالبحرین میں لکھا ہے اور دفتر اول میں حضرت مخدوم شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کی مدح ذوالبحرین اور سہ بحری اور چہار بحری اشعار میں لکھی ہے چنانچہ چہار بحری اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

قطرۂ از جود تو جود کثیر ذرۂ از خوے تو مہر منیر

اس دفتر کو مصنف نے ۱۸۸۱ھ میں تمام کیا ہے۔ اس کی تاریخ کس خوبی کے ساتھ یوں لکھی ہے۔

سال اتمامش چو دل از عقل خواست کرد دو انگشت خم دیگر دو راست

(یعنی دو انگلیوں کو دوبار خم کرنے سے دو آٹھ کی شکل یعنی ۸۸ پیدا ہوتے ہیں اور دو انگلیاں سیدھی کرنے سے دو الف کے مانند گیارہ ہوتے ہیں اس طور سے ۱۸۸۱ھ نکلتا ہے۔) یہ دونوں مثنویاں ایسی کمیاب اور غیر مشہور ہیں کہ کتاب تو کتاب مصنف کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں (تمام شد نام شوق نیموی مرحوم)

اس کے بعد فوقانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دفتر اول کے آخر میں یہ مضمون ہے۔

خاتم نامہ من تصنیف لالہ رام چند متوطن محلہ عالم گنج بوقت دوپہر روز چہار شنبہ ماہ ربیع الاول ۲۱ سنہ جلوس والا عالم شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و حشمتہ، اب ہم دفتر اول موسوم بہ گنج شائگان اور اور دفتر دوم مسمیٰ بہ گنج بادآورد کے چند اشعار مختلف مقامات سے انتخاب کر کے ہدیہ ناظرین قارئین کرتے ہیں۔ اشعار حمد و نعت دفتر دوم مسمیٰ بہ گنج بادآورد معروف بہ حاتم نامہ بہ صنعت دو بحرین۔

اے کہ شد از فیض تو اندر سخن	طوطی طبعم ہمہ شکر شکن
شکر تو اے خالق بندہ نواز	کے شود از بندۂ ناساز ساز
گر دمے از شکر تو راقم سخن	پرشکر از شکر تو گردد دہن
از کرم آوردہ از بہر ما	احمد مرسل سر ہر انبیا
از سر صدق از من عاصی مدام	باد برآں مایۂ رحمت سلام
فرحت دل غستہ شیریں بیاں	دم بدم از لطف تو خواہد چناں
غافرش از شوق تو در جوش باد	گوہر شش آویزۂ ہر گوش باد

اشعار خاتمہ کتاب دفتر دوم و اشعار در مدح مسٹر فریڈل صاحب بہادر۔

شکر ایزد خامۂ گوہر فشاں	کرد در ریزی بسے در داستاں
زد رقم گرچہ فسانہ سر سری	لیک در افشاند در نظم دری
باوجود شغل چندیں کارگاہ	شد مرتب مثنوی در چار ماہ

بهر نامش داشتم غورِ تمام — عقل کردش گنج بادآورد نام
چون صفات داورِ دالا همم — کانِ جود و منبعِ فضل و کرم
مسٹر فرئیڈل فرخنده شان — کز عطاے دست او دریا و کان
صاحب کز خوان احسانش مدام — خلق را چون نهر پر زر هست جام
مجلے در دفترِ اوّل قلم — ساخت بر صفحات زرافشان رقم
خاتمه هم فرحت از زیب تمام — یافت در تسطیر حسن اختتام
هست امید از خداے ذوالکرام — تا شود مقبول طبع خاص و عام
شعر دویم در دفتر این علم گنج — ده عدد دیدم برابر چار پنج
۵۵۵۵
در نشان بے رنج بیجوی ز گنج — پنج هزار و پانصد و پنجاه و پنج
۱۱۳۲
نیز شعر هر دو دفتر در شمار — یکصد است و سی و دو با هزار
سال انگریزی بسے فرخنده فال — یک هزار و هشت صد آغاز سال
۱۸۵۶
نسبت هندی شناسی سال خوش — یک هزار و هشت صد پنجاه و شش
۱۲۱۴ھ
سال هجری گشت روشن هیچو مه — یک هزار و دو صد و هم چار و ده

اشعار دفتر اول مسمی به گنج شایگان که در اتمام کتاب و بیان احوال مصنف و در مدح شهر عظیم آباد واقع شده

۱ شکر کاین مجموعهٔ رنگین کلام — یافت با صد زیب حسن انتظام
۲ خوانمش گلدستهٔ باغ جنان — یا که دانم روضهٔ جنت مکان
۳ نے نے از مستی غلط کردم سخن — پر غلط شد این همه تشبیه من
۴ هست این رعنا عروس گلعذار — از گزارش کیسه کند عاشق کنار
۵ خال روئش نقطهاے انتخاب — خط خرتش جدول رخے کتاب

۶ ابروے ... مصرعہ برجستہ است — کُنی رنگیں حناے بستہ است

۷ شد ز عطر گیسوے ایں مشک بو — مغز مشک نافۂ چیں مشک بو

۸ موے بند زلف ایں مشکیں برند — بندۂ ناقص طبیعت رام چند

۹ در سخن فرحت تخلص ساختہ — اشہب فکرت بمیداں تاختہ

۱۰ می کند بزم سخن را بوستاں — بشنو اندر کشور ہندوستاں

۱۱ رونقش باغ ارم شداد ہست — نام آں شہر عظیم آباد ہست

۱۲ دہ چہ شہر خوشتر از باغ بہشت — وصف او باید بہ آب زر نوشت

۱۳ از عمارت گر بنا سازم سخن — بر سر کرسی نشیند شعر من

۱۴ کنگرہ ہاے عمارتہاے آں — میزند خندہ بریش آسماں

۱۵ چار سو لیش بوستان دلکشا ست — از نسیمش مغز عالم مشکہا ست

۱۶ سرو و شمشادش برعنائی علم — عاشق و معشوق استادہ بہم

۱۷ گل رخاں در وے خراماں ہر طرف — در بغل شیشہ و جام مے بکف

۱۸ سینہ وا سازند گر اندر چمن — گل ز حسرت چاک سازد پیرہن

۱۹ موج زن سوے شمالش آب گنگ — چشمہ کوثر خجل زاں آب درنگ

۲۰ ہر یکے مانند از کف مشت آب — بر لباس خویشتن ہمچوں گلاب

۲۱ در جنوبش رود کے جلا رواں — نخل تار وانبہ گرداگرد آں

۲۲ ہست آنجا درگہ عرش اشتباہ — شاہ ارزاں مظہر نور اللہ

۲۳ تاج شاہی را شرف از فرق آں — ہست او صاحب ولایت در جہاں

۲۴ از قصورش قصر جنت پر قصور — گنبدش تابندہ ہمچوں مہر ز دور

۲۵ گرد گردش روضہ جنت نشاں — درمیان او نسیم عنبر فشاں

۲۶ درمیانِ صحنِ او حوضِ کلاں — ہست آبِ او مصفا ہمچو جاں

۲۷ موئے دولابش کند گر کس گزار — گرم رقاصی شود مستانہ وار

۲۸ وصفِ آں زیبِ بسیق گر سازم رقم — در کفِ دستم برقص آید قلم

۲۹ نامۂ جود و سخا شد چوں تمام — عقل گنجِ شایگانش کرد نام

۳۰ موسمِ آغازش کہ از بس سعد بود — چار شنبہ آخری ذیقعدہ بود

۳۱ سالِ اتمامش چو دل از عقل خواست — کرد دو انگشت خم دیگر دو راست

۳۲ دمبدم میگفت دل بر طبعِ ایں — آفریں صد آفریں صد آفریں

انتخاب اشعار دفترِ اول یعنی گنجِ شایگاں در صنعت ذوالبحرین

حمد باری

اے کہ شد از ذکرِ تو شیریں مقال — دیکہ شد از فکرِ تو رنگیں خیال

نامِ تو آرایشِ عنواں بود — مدحِ تو پیرایشِ دیواں بود

شد سخن از فیضِ تو آبِ رواں — پر گہر از مدحِ تو درجِ دہاں

حمدِ تو زاندازۂ فکرت بروں — وصفِ تو زآوازۂ شہرت فزوں

مدحِ تو افزوں ز حدِّ گفتگو — جائے تو بیروں ز کدِّ جستجو

نعت سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سایۂ از رحمت و لطفِ خدا — مایۂ زیبایشِ ہر دو سرا

افضل و زیبندۂ قدر رفیع — اکرم و والا قدر امت شفیع

امجد و پیغمبرِ ربِّ جلیل — از مژہ روبد رہِ او جبرئیل

سینۂ او مطلعِ انوارِ حق — باطنِ او مخزنِ اسرارِ حق

جبہۂ او مظہرِ نورِ الٰہ — اشعۂ حق رارخِ او جلوہ گاہ

مقدم خود به مه افلاک داشت — بر سر خود افسر لولاک داشت
هم ملک از غاشیه داران اوست — هم فلک از منطقه بندان اوست
مدح وے از خامه کجا آید تمام — هم زوے الطاف و ز فرحت سلام

اشعار در مدح مخدوم شیخ سعدی شیرازی علیه الرحمة در صنعت مجمع البحرین

ایکه دل از مدح تو دریاے ژرف — جاں بود از فیض تو در تنگرف
وصف تو گلگونۂ روے سخن — مدح تو مشاطۂ موے سخن
رونق ملکِ سخن از روے تست — تازگیٔ باغ من از جوے تست
نام تو وردِ دل اربابِ ہوش — از خمِ فیضت ہمہ کس جرعہ نوش
مُقبلِ حق حضرت سعدی توئی — راحت جاں مایۂ شادی توئی
ناطقہ از ذکر تو شیریں بود — روضہ ام از مدح تو رنگیں بود
خامۂ من مصرعہ برجستہ گشت — ریشۂ ریشۂ در کفم گلدستہ گشت
مصرعۂ فکرم پر پروانۂ ایست — نقطۂ کلکم دُرِ یکدانۂ ایست
خاطر من گل شد و طبعم چمن — بلبل من دل شد و مغزم سمن
مدح تو اکنوں کنم از چار بحر — تا شود از وصف تو گلزار بحر

انتخاب اشعار در صنعت چہار بحری

ایکہ شد از درّ تو زیب سخن — پر گہر از درّ تو جیب سخن
قطرۂ از جوے تو جود کثیر — ذرّۂ از خوے تو مہر منیر
نفحۂ از خطّہ تو مشکِ تتار — رشحۂ از یمّ تو ابر بہار

در صنعت سہ بحری

مدح تو از حد من آمد بروں — وصف تو از کدّ من آمد فزوں

کن نگہ از رافتِ خود سعدیا | بر رخم اینک درِ راحت کشا
مزرعہ امید من از لطفِ خویش | تازہ و سرسبز کن از لطفِ خویش
در سخن اے فرحت خوش گو مکوش | بلبل خوش نغمہ بنوا خموش
قصہ از حاتم طی باز خواں | شہرہ جودش فگن اندر جہاں
از سرِ گنجینۂ دل ریز دُر | دامن عالم بکن از گنج پُر
بس سخن از حاتم طی می کنم | صنعت بحر ایں ہمہ طی می کنم

اس کے بعد حاتم طائی کا قصہ شروع کیا ہے

(۱۷) **الفت** رائے منگل سین قوم کایستھ باشندہ عظیم آباد شاگرد قلندر بخش جرات لکھنوی تذکرہ عمدہ منتخبہ نمبر ۲۱۶۱ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں ان کا ذکر یوں ہے۔

"الفت رائے منگل سین کایت شخص، ذہین و خوش اخلاق شاگرد قلندر بخش جرات متوطن عظیم آباد چندے بعلاقہ دار دار الخلافت (دہلی) گشتہ غزل طرحی در مشاعرہ خوانده بود ایں شعر دریں مجموعہ ثبت نمودہ شد۔

اس طرح چھپ چھپ کے گھر جاؤ گے گر دو چار کے | مفت ہو جائیں گے یوں بربادگھر دو چار کے
ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سوسو نازہے | کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

تذکرہ سخن شعرا اور تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ایک شعر پایا جاتا ہے۔ خم خانۂ جاوید میں ان کا ذکر محض مختصر ہے۔

(۱۸) **شورش** بابو نند لال عظیم آبادی ساکن محلہ دیوان قوم کایستھ۔ انہوں نے ایک ضخیم مثنوی فارسی میں اور ایک اردو میں لکھی تھی جو نایاب ہے۔

ا۔ من کا قافیہ گن کیا ہے۔ اختلاف توجیہ ہے۔

تاریخ شعرائے بہار میں اردو مثنوی کا یہ شعر درج ہے۔

کبھی میرا ٹھکانہ بہشت بریں تھا | جواب اس کا دنیا کے اندر نہیں تھا

(۱۹) **شوق**۔ بابو شیو گوپال عرف کاکاجی ساکن عظیم آباد تجارت اور مہاجنی کا پیشہ کرتے تھے۔ گارسن و تاسی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ایک شعر پایا گیا وہ نقل کیا جاتا ہے۔

دامن کو تیرے خوں نہ رہے بن لگے ہوئے | چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

(۲۰) **بیتاب**۔ سنتو کھ رائے باشندۂ عظیم آباد۔ تذکرہ عشقی میں ان کو نازک مزاج اور کتب بینی کا شائق لکھا ہے

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے | نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر اور کلام درج کیا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سنتو کھ رائے المتخلص بہ بیتاب، از تذکرہ قائم معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت دوست بود، معلوم نیست کہ الحال کجاست، درآں زماں زور طبعش بروزیہ مانند ہلال در ترقی بود، و ربط کلام را خوب می فہمید غدائش زندہ دارد، از وست ؎

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم | پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص | کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم

٭

محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں | کہ خوباں یوں نہیں کہدیں ہم ان کو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ گیا ادھر دہ مضطر ہو چلا آیا | عجب دن تھے وہ جن روزوں میں رکھتی تھیں اثر آہیں

سبزے پہ اس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک　　اس گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں رہے
جی میں ہے اس کی بات میں اب پھر نہ بولیے　　لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

❖

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی　　کہ بن لیلی کہیں کھنچتی نہیں تصویر مجنوں کی

❖

میں کیا خلل نہ اُٹھائے فلک کے کینے سے　　کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
تو اپنا دل سا مرا دل نہ سمجھیو بیرحم　　کہ سنگِ سخت کو کیا نسبت آبگینے سے

❖

عشق میں کا ہے عَسَل، گہ نیش ہے　　نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

❖

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے　　نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

❖

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے　　مل مل کے غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر!　　اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا مختصر حال اور ایک شعر درج ہے جو غالباً میر حسن کے تذکرہ سے ماخوذ ہے۔

متوسطین ہندو شعرائے بہار

(۲۱) الفتی ۔ راجا پیارے لال ابن رائے سکھن جی قوم کالستھ ماتھر۔ آبائی وطن سکندرہ متصل آگرہ تھا۔ عرصہ تک دہلی میں رہے اسلئے خود کو دہلوی لکھتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے منشی تھے رزیڈنٹ سے ناچاقی ہوتے کے سبب ترکِ ملازمت کرکے عظیم آباد چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے پندرہ سو چھتیس روپیہ سالانہ پنشن مقرر ہو گئی تھی۔ عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور انشا پردازی اور شاعری میں مشہور تھے عظیم آباد اور اطراف بہار میں ان کے متعدد ہندو اور مسلمان شاگرد تھے۔ ان کے بعد بھی ان کے پوتے کنور سکھراج بہادر رحمتی کے وقت تک ان کے سلسلہ کے شاگرد اکثر تخلص میں یائے نسبتی کا التزام رکھتے تھے چنانچہ رحمتی دعبرتی و حشمتی وغیرہ نے اپنے تخلص میں یہی رعایت ملحوظ رکھی تھی۔ الفتی کے خانگی کتب خانہ میں کئی ہزار نادر قلمی کتابیں تھیں۔ خود ان کی تصنیف سے مثنوی نیرنگ تقدیر اور مینا بازار کے علاوہ فارسی دیوان غزلیات یادگار ہے۔ فارسی دیوان کو ان کے پوتے رحمتی نے ۱۸۷۰ء میں طبع کرایا تھا وہ راقم کی نظر سے گزرا ہے اور اسی کے کچھ اشعار بطور مشتے نمونہ از خروارے اس جگہ درج کیے جاتے ہیں۔ الفتی نے ۲۶ صفر ۱۲۵۰ھ

روز پنجشنبہ کو انتقال کیا۔

چوں غنچہ جز سکوت نباشد بیان ما | پیچیدہ شد زبانِ سخن در دہان ما
در دشت پر بلائے جنوں نیست الفتی | جز موج ریگ و اشکِ روان کاروان ما
تاثیر غمزہ ات ز دلِ ناتواں گذشت | آہم ز نہ فلک شد و از لامکاں گذشت
نازم زبخت تیرہ کہ چوں بلبل قفس | بریک و تیرہ فصلِ بہار و خزاں گذشت
خوش آنکہ در محبت جانا نہ الفتی | از رنج دہر و راحتِ خلد و جہاں گذشت

ریختہ میں ان کا صرف ایک شعر تذکرہ میں پایا گیا

خاکساری سے مثال نقش پا | جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو گئے

خمخانۂ جاوید میں لالہ سری رام نے ان کا حال بہت مختصر لکھا ہے۔

(۲۲) دماغ۔ منشی گنگا لال خلف منشی کنہیا لال ساکن میران پور رندرہ ضلع گیا۔ اردو اور فارسی کے علاوہ سنسکرت بھی جانتے تھے۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ موسوم بہ گلشنِ بہار یادگار چھوڑا ۱۲۶۰ھ میں بعمر ستر سال انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ایک ہی شکل کو دو کر کے دکھا دیتی ہے | جوہر آئینہ قاتل تری تلوار میں ہے
گلشنِ حسن پر بہار نہیں | کنگھی چوٹی نہیں سنگار نہیں
قتل کو بس ہے خنجر ابرو | حاجت تیغ آبدار نہیں
باغ عالم میں گل کھلا ہے کچھ | اے جنوں، موسم بہار نہیں
تیری زلفوں سے اماں ہے کسے یار آج کی رات | انہیں دکالوں نے رکھا ہمیں مار آج کی رات
درد دل سے جو کر رہا تو وہ ہنس کر بولے | جاں بلب کون ہے آوارہ دیار آج کی رات
صاف ہو وصل میں عاشق سے کدورت کیسی | میری جاں ورگرد دل سے غبار آج کی رات

وہ شبِ ماہ میں آئے ہیں جو افشاں چن کر   چاندنی دہری دکھاتی ہے بہار آج کی رات

خم خانہ جاوید میں بھی ان کا ذکر اور انھیں اشعار میں سے پانچ اشعار ہیں۔

(۲۳) **ضمیر**۔ کنور ہیرالال خلف راجا پیارے لال الفتیؔ مولد و مسکن عظیم آباد۔ درسیات عربی و فارسی میں فارغ التحصیل تھے اور علم ہندسہ، اقلیدس، ہیئت کے علاوہ عروض میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چند سال محکمہ بورڈ کمشنر و افیون میں سررشتہ داری کے عہدے پر ممتاز تھے۔ سنہ ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا۔ اردو اشعار دیکھنے میں نہیں آئے فارسی کلام کا نمونہ یہ ہے۔

از سینۂ سوزاں بفلک نالہ فرستیم   وز دیدۂ گریاں بزمیں ژالہ فرستیم
تا نیک نشانش دہد از صورت عالم   نامہ نو لیسیم و گل لالہ فرستیم

(۲۴) **تائب**۔ منشی بھگوان دین ابن منشی منگل سین قوم کایستھ ساکن اررپا ضلع پورنیہ تلمیذ منشی شنکر لال صبا ساکن ندوہ ضلع گیا۔ سنہ ۱۲۷۱ھ میں باون برس کی عمر میں انتقال کیا۔ تاریخ شعرائے بہار سے ان کے یہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

باغ دنیا میں وہ شجر ہیں ہم   پھولتے ہیں کبھی نہ پھلتے ہیں
ڈھونڈتا ہوں نہیں جو میں تائب   خانۂ دل سے وہ نکلتے ہیں

(۲۵) **خفی**۔ تخلص اور راجا بابو نام ساکن عظیم آباد، سخن شعرا اور تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہے خنک از بس ہوا اے گرم ساقی جلد آ   گرم صحبت ہو گی زیب انجمن ہو جائیگا
دیکھ سنبل کو چمن میں یاد آئے اس کے بال   حاصل اس گلگشت سے آخر پریشانی ہوئی

(۲۶) **شوقؔ**۔ لالہ ٹیک پرشاد کالیستھ ماتھر ساکن عظیم آباد راجا پیارے لال الفتی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ذی علم اور مشاق شاعر تھے افسوس کہ ان کا کلام دستیاب نہ ہوا۔ لیکن ایک رسالہ موسوم بہ دھرم پالک جو از مکند لال رائے بہادر آنریری سرجن وایسرائے ہند کے رسالہ دھرم شاستر کے جواب میں ۱۸۸۰ء میں شایع ہوا تھا اس میں شوقؔ کی ایک نظم ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے یہ جوابی رسالہ لالہ رفعت بہادر کالیستھ ماتھر عظیم آبادی کا مرتب کیا ہوا ہے اس میں ازدواجِ بیوگانِ نابالغ کو ہندو دھرم کے خلاف بتایا ہے۔

نظم شوقؔ

جو لکھوں تیری شان میں کم ہے　　　مظہر جود و فخر عالم ہے
آسماں تیرے آستاں پہ سدا　　　بہرِ تسلیم سر کیے خم ہے
مہر بھی تیرے آستانے پر　　　ذرّہ ساں بندگی میں ہر دم ہے
ماہ طلعت جواں کوئی تجھسا　　　دور میں چرخ پیر کے کم ہے
تیرے زور شباب کے آگے　　　صوت پیر زال رستم ہے
تیرے در کا گدا تونگر ہے　　　جام فقر اس کا ساغر جم ہے
نام نامی ترا سلیماں وار　　　نقش ہر دل پہ مثل خاتم ہے
بحر فیض آپ کا روانی میں　　　تشنہ کاموں کے واسطے یم ہے
ہیں تونگر بھی تیرے دست نگر　　　تو کرم میں سبھوں سے اکرم ہے
تیرا الطاف بہر دوست ہے قند　　　قہر تیرا ایئے عدو سم ہے
گل ہیں خواہاں نسیم شفقت کے　　　ملتجی آبرو کی شبنم ہے

شوقِ خستہ کی یہ دعا حق سے سحر و شام بس یہ ہردم ہے
یا الٰہی اسے تو شاداں کر مہر جب تک فلک پہ قایم ہے

(۲۷) **شکیب**۔ منشی ہیرالال عظیم آبادی مشاق اور صاحب تلامذہ شاعر تھے راے بیجناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعرہ کی قلمی بیاض مورخہ سنہ ۱۲۷۱ھ میں ان کی ایک غزل ملی جو اس جگہ درج کی جاتی ہے کملاپرشاد عاجز انہیں کے شاگرد تھے۔

کس دن نہ ناک بھوں تری اے نازنیں چڑھی
اتری کب آستین جو تیوری نہیں چڑھی

شوخی سے اپنی کر گئی نظروں سے گل کے یہ
کیوں شاخ گل پہ بلبل اندوہگیں چڑھی

مر کر بھی ہم اٹھیں گے نہ کوچہ سے یار کے
اپنی تو ہے نظر یہ یہی سرزمیں چڑھی

دامن چھوا جنہوں نے سراں کے اتر چکے
اب کب تلک رہیگی تری آستیں چڑھی

گل دیکھنے کے لالے پڑیں گے اے عندلیب
صیاد کی نظر پہ اگر تو کہیں چڑھی

رہ جائیں گے دھرے یہ رقیبوں کے داؤ پیچ
اک شب گر اپنی گھات پہ وہ مہ جبیں چڑھی

کیونکر نہ اس غزل پہ ہمیں ناز ہو شکیب
نکر رسا سے چرخ پہ اس کی زمیں چڑھی

(۲۸) **شوکتی**۔ کنور راجہ بہادر پسر دوئمیں کنور ہیرالال ضمیر عظیم آبادی دبیرہ راجہ پیارے لال الفتی ان کا کلام دستیاب نہ ہوا لیکن ان کی تصنیف سے ایک رسالہ موسوم بہ محیط القوافی ان کے دست خاص کا لکھا ہوا ان کے وارث کنور جگ لیش بہادر کے پاس راقم نے دیکھا تھا اور اس کے دیباچہ اور ترقیمہ کو نقل کر لیا تھا اس میں اور ضروری باتوں کے علاوہ خود ان کی صلاحیتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اور اس عہد کے چند مشاہیر شعرا کا بھی ذکر ہے اسلئے اس کو اس جگہ درج کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

"امابعد ہرزہ گوے بادیہ گردِ وحشت و پریشانی پریشاں نگار صحرا نوردِ جہل و نادانی کنور راج بہادر متخلص بہ شوکتی دو دییں پور جناب کنور ہیرا لال ضمیر ارشد خلف راجہ پیارے لال قبلہ الفتی دہلوی چنیں میگوید کہ در آوانِ تحصیلِ ایں مجنونِ دلباختۂ لیلاے سخن را آنچہ از قواعد قوافی در رسایل معتمد اساتذہ متقدمین و متاخرین مثل حدایق المعجم من تصنیف محمد بن قیس و رسالہ معیار الاشعار من تصنیف محمد حسن خواجہ نصیر الدین طوسی و رسالہ قافیہ من تصنیف مولانا جامی و رسالہ قافیہ من تصنیف ملا کاہی و نفایس الفنون من تالیف محمود بن محمد الآملی و حدایق و رسالہ وافیہ من تالیف شمس الدین فقیر و رسالہ کافیۃ القافیہ من تالیف محمد تقی اوحدی البنانی و رسالہ قافیہ عطا اللہ من تالیف عطا الدین محمود الحسینی و رسالہ مخزن الفوائد من تالیف محمد خالق بن غلام حسین و رسالہ کامل العروض من تالیف قدرت احمد بن حافظ عنایت احمد و رسالہ قافیہ من تالیف محمد روشن متخلص بہ جوشش و دریاے لطافت انشا و قتیل و رسالہ چہار شربت من تالیف خاص مرزا قتیل و مرآت القوافی من تالیف شاہ بخشش حسین وحشتی من تلامذہ جناب راجہ پیارے لال الفتی دہلوی و تقویت الشعرا من تالیف امام الدین طالب بہ نظر در آمدہ و ہم از زبانِ مبارک سرخیل کاروان نکتہ دانی و سر دفتر نکتہ رسانِ الفاظ و معانی فرید دہر وحید عصر استاد ما حضرت عبرتی میر وزیر علی صاحب قبلہ مدظلہ شنودہ بخاطر فاطر محفوظ داشت و از عرصہ دراز خیلے متمنی و آرزومند بود کہ آنچہ رائع اشعار اشد و اختلاف مذاہب بطرزے کہ موجب بصیرت مبتدیان ایں علم گردد جمع کند و از خود بصفحۂ زمانہ یادگارے

گزارد اما از شدت پریشان خاطری نقش ایں تمنا صورت نمی بست اکنوں کہ

سنہ ۱۲۶۹ یکہزار و دو صد و شصت و نہہ از ہجرت النبوی است نظر بہ تعلیم عزیز برخوردار خود کنور رنگھراج بہادر ارفعہ اللہ تعالیٰ علماً نافعاً وفہماً کاملاً وعقلاً سلیماً و ہم باظہار فرط وسع و شوق باعیان حدیقہ سخن چمن پیرائے حقایق ایں نادرہ فن مشفقی سید تصدق حسین صاحب زاد لطفہ کہ بارانم بس مہر قرو دشیہا دارد ایں ہمہ را فراہم نمودہ بجائے فصل منقسم بدہ چشمہ و یک مقدمہ و خاتمہ ساختہ رنگ تسوید داد و مسمیٰ بہ نحیوا القوافی ساخت۔"

ترقیمہ " بخط خام بندہ کنور راج بہادر خلف کنور ہیرالال صاحب قبلہ ضمیر بیکنٹھ باشی نبیرہ جناب راجہ پیارے لال صاحب قبلہ الفتی دہلوی بیکنٹھ باشی بمقام عظیم آباد بکوچہ فرخ خاں متصل مسجد عنبر۔"

یہ نادر رسالہ دیسی اردلی کاغذ پر لکھا ہوا تھا تخمیناً ڈھائی سو صفحے ہوں گے اور ہر صفحہ ۱۱ × ۸ انچ ہوگا۔

(۲۹) رقعتی۔ منشی سمبودت کایستھ امسٹ ساکن موضع موساپور پرگنہ سرلیسا (مظفرپور) راجہ پیارے لال الفتی کے شاگرد تھے۔ تاریخ آئینہ ترہت میں ان کا صرف اس قدر ذکر ہے:۔

" منشی سمبودت کایستھ امسٹ ساکن موضع موساپور پرگنہ سرلیسا مرد شریف و نجیب عالی خاندان تھے علوم عربیہ و فارسیہ سب کچھ جانتے تھے اپنی برادری میں طاق تھے منشی گیری میں شہرہ آفاق تھے۔ راجہ پیارے لال عظیم آبادی کے شاگرد تھے دربار میں مہاراجہ چھتر سنگہ بہادر در بھنگا (سنہ ۱۲۱۳ فصلی تا سنہ ۱۲۴۶ فصلی مطابق سنہ ۱۸۳۹ء) کے نوکر تھے۔ مر گئے

راقم کو معلوم نہیں کہ ان کے وارث ہیں یا نہیں۔"

اتفاق سے اجاگر چند الفت کے دیوان میں ان کا کہا ہوا ایک قطعہ ضروری عبارت کے ساتھ خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا نظر سے گذرا وہ بجنسہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے اس سے ان کی قابلیت اور صلاحیت پر روشنی پڑتی ہے۔

"قطعہ مسمیٰ بہ کارنامہ در وصف وسال بناء چاہ در بحر ہزج بزحافات از افکار بندۂ ہیچمدان سنبھو دت متخلص بہ رفعتی۔

تا ہر گو بند گوسشش چہ بجنۃ نمود	از سال بناء و وصف وے طبع فہیم
از فصلی و ہجری و مسیحی سمبت	ہر چار دریں دو بیت کردم ترقیم
چاہ بصفا زمزم و سرد و خنکے	شیریں بمزہ آمد از آب تسنیم
۱۲۳۲ فصلی	۱۲۴۰ ہجری
خوش بامزہ و الذ لیسے ہمچو زلال	کوثر بہ لطافت وے آبست حمیم
۱۸۸۲ سمبت	۱۸۲۵ عیسوی
تطبیق سنین چار گانہ با ہم	تا حال ندیدہ شد ز اسلافِ قدیم
انصاف کہ رفعتی چہ درسفتہ بدیع	ایں طرز چو الفتی نمودش تعلیم
ساکا شود ۔ عیاں بطرز توشیح	بادل چو ناطے کند طبع سلیم

ساکا بطریق توشیح ۔ ۱۷۴۷

مخفی نماند کہ ایں طرز تاریخ از مخترعات الفتی است مدظلہ و تفصیل آنکہ چوں اعداد حروف اوایل و اواخر ابیات بطریق توشیح با دل لفظ طبع حرف باست (ب) و مصرعہ آخر مشتر بر آں است جمع آرند ساکا سال، می

کہ در تقاویم ہندیہ مندرج است بہم می رسد و از چہار مصاریع اوا سط کہ مشتمل بر وصف آب و بنائے چاہ است از مصرع اول سال فصلی و از دوم ہجری و از سوم سمبت و از چہارم عیسوی می برآید فافہم۔

سا کا سال اس طور پر نکلتا ہے کہ ہر شعر کے اول اور آخر حرف کے عدد کو جمع کر کے لفظ طبع کے دل یعنی درمیانی حرف ب کے دو عدد کو جوڑ دینے سے ۱۷۴۷ ہوتے ہیں۔

(۳۰) پانڈے موہن لال ساکن بیکنٹھ پور متصل خسرو پور۔ اردو کے اچھے شاعر تھے ۱۷۸۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا گورنر جنرل ہیسٹنگس کے منشیوں میں تھے۔ ہیسٹنگس نے کتاب انشائے ہرکرن کا ایک قلمی نسخہ بھی ان کو بطور تحفہ دیا تھا جو ان کے ورثا کے پاس موجود تھا۔ ایک عرصہ تک پورنیہ میں قانون پیشہ کی حیثیت سے مقیم رہے اور اس پیشہ میں اس قدر فروغ پایا کہ بہت سی خاندانی ملکیت جس کو ان کے بزرگوں نے فضول خرچی سے کھو دیا تھا دوبارہ حاصل کی۔ ان کے حالات اور شاعری کا ذکر ایک مطبوعہ انگریزی رسالہ (مولفہ پانڈے رام چندر سہائے ام۔ اے۔ بی۔ ال) میں راقم کی نظر سے گزرے۔ یہ رسالہ پانڈے دیو ندر سہائے صاحب عرف ڈیوک بابو آنرری مجسٹریٹ ساکن خسرو پور نے راقم کو دکھایا جو پانڈے موہن لال کے خاندان سے ہیں۔ انہیں سے معلوم ہوا کہ زیادہ قرینہ ہے کہ اردو کلام ضایع ہوگیا لیکن ممکن ہے کہ دوسرے قرابت مندوں کے پاس کچھ محفوظ رہ گیا ہو۔

ان کا سنہ ولادت ۱۷۸۲ء جو مذکور ہوا وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا

اسلئے کہ لارڈ ہیسٹنگس ۱۸۱۳ء میں گورنر جنرل ہو کر آئے اور پانچ برس سے کچھ زیادہ یہاں رہے اس وقت پانڈے موہن لال کی عمر پندرہ سال کے قریب ہو گی اور اس عمر میں گورنر جنرل کا منشی مقرر ہونا صحیح نہیں ہو سکتا۔

(۲۳۱) محنتی ۔ منشی ہر پیر ناتھ باشندہ عظیم آباد۔ تحفۂ انجمن رحمتی یعنی رحمتی کے مشاعرہ ۱۲۲۵ھ کے گلدستہ میں ان کو " از کہین تلامذہ جناب پیارے لال صاحب آلفتی " لکھا ہے۔ تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ذکر ہے۔ آلفتی کے انتقال کے بعد یہ میر وزیر علی عبرتی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کہتے تھے۔ مشاعرہ سوم و چہارم کے گلدستوں سے ان کا کلام اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

غزل فارسی

تو با من کردگارِ من چہ کردی چنیں بد روزگارِ من چہ کردی
جہاں لا تقنطو اگر دد یقینم بجا تم از چہ کارِ من چہ کردی
حذر کردم بہ نامشروع و ممنوع دے آمرزگارِ من چہ کردی
قوی می داشتم امید الفت زبوں حالِ نزارِ من چہ کردی
چو کردم اعتراف از جرم و توبہ عطائے خویش و کارِ من چہ کردی
دل و دیں باختم در عشق لیکن نہ گفتی دلفگارِ من چہ کردی
نہ دانستم کہ چندیں بیوفائی سخن با غیر یارِ من چہ کردی
رخت بینم گلِ روئے تو چینم دگر ہیچ از تو یار من چہ کردی
ہدف کردی مرا از تیر مژگاں چہ منت بر شکارِ من چہ کردی
نباشد محنتی را جز تو یارے بکن رحمے نگارِ من چہ کردی

اردو

کب تک رہوں خستہ تن ہمیشہ — مغموم بلا محن ہمیشہ
لیلیٰ کے فراق میں بصد آہ — مجنوں رہا نعرہ زن ہمیشہ
شیریں نے کیا کبھی نہ کچھ رحم — محزوں رہا کوہکن ہمیشہ
یوسف کی تلاش میں تو یعقوب — سونگھا کیا پیرہن ہمیشہ
کیا سود پڑھوں لکھوں جنوں میں — افسانۂ نل دمن ہمیشہ
اے چرخ مری مسافرت میں — کیوں ہوتا ہے راہزن ہمیشہ
ایام شباب میں رہا ہے — سب رندی و بانکپن ہمیشہ
استاد کی تربیت سے مجکو — ہے مشق و کمالِ فن ہمیشہ
یارب جلیل رحمتی کا — سرسبز رہے چمن ہمیشہ
اب عشق میں محنتی کو شیدا — سب کہتے ہیں مرد و زن ہمیشہ

در جنونم چو سر مہر تبانم دادند — طپش خاطر و صد درد نہانم دادند
تا مرا عشق بت سرو چمانم دادند — قامتش از قد شمشاد نشانم دادند
عشوہ و غمزۂ او نوک سنانم دادند — ابرو و آہ مرا تیر و کمانم دادند
در ہوایش چو مرا شور و فغاں گشت فزوں — کاکل و زلف دوتا بند گرانم دادند
زآتش ہجر مرا سوز و گداز است ولے — وعدۂ وصل تو ام تاب و توانم دادند
ہرچہ رفت از تو ستم نیست مرا شکوہ و رنج — حیف بر حکم قضا آنچہ ندانم دادند
گفتم از ساقی کوثر کہ بدہ آب زلال — بادۂ ہوشش با ہیچ گمانم دادند

محنتی ہرزہ مپو بادیۂ عشق بلاست
کوچۂ یار مرا جائے امانم دادند

(۴۲) دھرم منشی دھرم لال ساکن دانا پور پٹنہ ۱۲۸۳ھ کے قریب مشق سخن کرتے تھے گلدستہ بہار مرتبہ عطا بہاری و عاصی بہاری میں ان کی یہ غزل شایع ہوئی تھی۔

چلا چل کوچہ جاناں میں اے دل شادماں ہو کر — کبھی آجائیگا وہ بھی ترے گھر میہماں ہو کر
تم اپنے کشتہ کو صاحب ذرا آ کر جلاؤ تو — کہاں تم بھاگے پھرتے ہو مسیحائے زماں ہو کر
نہ تم سا خوبرو میں نے کہیں پایا زمانہ میں — بہت دیکھا زمانہ کو پھرے اصفہاں ہو کر
تمہارے حسن نورافزا نے کیں آنکھیں مری روشن — کہاں جاؤگے اے پیارے ان آنکھوں سے نہاں ہو کر
گلستان جہاں میں بو جب الفت کی نہیں پاتی — رہے یہ بلبل نالاں تباہ اب کہاں ہو کر
تپاں ہوں صورت بسمل خدا کے واسطے قاتل — لگا وہ خنجر براں کہ نکلے استخواں ہو کر
گل و بلبل کے نظارہ سے کب وہ شاد ہوتے ہیں — گئے جو باغ جنت میں ہیں اس کے بوستاں ہو کر
مجھے دست حنائی یار کا جب یاد آتا ہے — تو اک مدت رہا کرتی ہیں آنکھیں خوں فشاں ہو کر
دھرم کی آرزو یہ ہے کہ تیرے باغ سے اے گل — نہ نکلوں صورت بلبل ہوں میں باغباں ہو کر

(۴۳) فقیر۔ لالہ لوکناتھ سہائے ساکن موضع بچونا پرگنہ نرہٹ ضلع گیا۔ ۱۲۸۳ھ کے لگ بھگ مشق سخن کرتے تھے گلدستہ بہار میں ان کی غزل شائع ہوئی تھی۔

گیا ہے سیر گلشن کو جو وہ خندہ دہاں ہو کر — یہ دل کمھلا رہا ہے مثل غنچہ بے زباں ہو کر
مجھے درد والم میں چھوڑ کر غیروں سے ملنے کو — چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہو کر
سنا جاتا ہے کل پھر گلبدن جائیگا گلشن میں — بھلا ہے باغ میں پہلے سے رہنا باغباں ہو کر
ہمیشہ آپ کو ہم جان کا مونس سمجھتے ہیں — نہیں لازم ستم کرنا ندیم دشمناں ہو کر
خیال زلف میں اس کے رہا ہیں شام سے بے خود — نگہباں وہ رہا شب بھر کے گھر میں پاسباں ہو کر

نہ پرساں ہے کوئی حسن کا اے یوسف ثانی
ہوا بازار ارزاں آپ کا پہلے گراں ہو کر

رسائی غیر ممکن ہے فقیر اس شاہ کے گھر میں
اگر ہے شوق ملنے کا تو جا آپا بدل ہو کر

(۳۴) وکیل۔ لالہ لچھمی نراین۔ محلہ دھولپورہ میں کچھ عرصہ تک مقیم تھے اور عدالت میں وکالت کرتے تھے۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی ایک مزاحیہ غزل ایک بیاض میں جو فی الحال پٹنہ یونیورسٹی کی ملک ہے پائی گئی وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

ہر قطرہ سرشک کو گوہر بنا دیا
آنکھوں نے اپنی ہم کو دھقتر بنا دیا

اب تم مجھے ستاتے ہوئے جان کس لیے
کپڑے تمہیں بنا دیے زیور بنا دیا

ہوتا مجھے بھی قرب وہ محمل نشیں کا
اللہ نے نہ کیوں مجھے اختر بنا دیا

آتے ہیں جھوم جھوم کے اس در پہ ابر غم
آنکھوں نے میری ہتھیا نچھتر بنا دیا

فیصل ہوا نہ رنج و الم کا مقدمہ
گو دل کو میں نے ڈپٹی کلکٹر بنا دیا

کم ظلِ بوم سے نہیں پرتو وکیل کا
جس باغ پر پڑا اسے کھنڈر بنا دیا

(۳۵) پرشن۔ منشی پرشن لال ساکن موضع پچونا پرگنہ نرہٹ ضلع گیا ۱۸۹۴ء کے قریب مشق سخن کرتے اور ان کا کلام گلدستہ بہار میں جس کو شاہ عطا حسین صاحب عطا بہاری اور شیخ محمد خیرات حسین صاحب عاصی نے قصبہ بہار سے جاری کیا تھا شایع ہوا تھا۔ اس گلدستہ کا ایک پرچہ نمبر ۶۶۹۵ کتب خانہ مشرقی۔ پٹنہ میں ابتک محفوظ ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

چلو اب بہر استقبال اس بت کے تم اے پرشن
سنا ہے وہ چلا آتا ہے میرا مہماں ہو کر

(۳۶) اختر۔ لالہ درشن لال صاحب۔ منشی پرشن لال پرشن کے بھائی تھے اور انہیں کے کلام کے ساتھ ان کی غزل بھی شایع ہوئی تھی ایک غزل یہ ہے۔

لکھا ہے ایک خط اس نے مجھے بھی شادماں ہو کر | کیا تحریر احوال اس میں اپنا مہرباں ہو کر
یہ ساعت بھی بہت احسن جو قاصد لے کے خط آیا | پڑھا میں نے دل و جاں سے اسے کیا شادماں ہو کر
لگاتے ہی ترے خط کو منور ہو گئیں آنکھیں | سواد خط نے بخشا نور مجکو نور جاں ہو کر
مرے گھر میں ہوا احسان جو وہ غیرت گلشن | کھلا میرا دل پژمردہ مثل بوستاں ہو کر
کیا اختر کو جیسا شاد لے دلبر اسی عنواں | کرو آنکھیں منور عاشقوں کی نور جاں ہو کر

(۳۷) **فطرت**۔ منشی بہاری لال ولد بابو جے کشن لال بن منشی من ہری لال بن منشی سروپ سنگھ قوم کایستھ سری باستو ساکن و زمیندار قصبہ دربھنگا وکیل عدالت منصفی صرف و نحو عربی مولوی امیر علی الہ آبادی سے اور کچھ دن مولانا امام شاہ اور مولانا بہرام شاہ سے پڑھی تھی اور فارسی میں طغرا و مینا بازار و پنج رقعہ و وقایع نعمت خان عالی و قصاید بدر چاچ و دیوان غنی و تصانیف ابو الفضل و کلیات خاقانی و دیوان انوری و ناصر علی کا درس بھی مولوی امیر علی ہی سے لیا تھا۔ اردو شاعری میں مولوی مرشد حسن کامل مظفرپوری کے شاگرد رشید تھے۔ ۱۸۵۸ء میں وکالت کا امتحان دیکر منصب وکالت درجہ دوم حاصل کیا۔ ۱۸۷۶ء میں آنریری مجسٹریٹ درجہ سوم مقرر ہوئے۔ دوسرے سال وکیل سرکاری کے عہدہ پر کام کرنے لگے۔

۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء موافق ۱۹۳۷ سمبت میں انھوں نے کتاب آئینہ ترہت تالیف کی جس میں ترہت کے تاریخی واقعات کے علاوہ بہتیرے نامور اشخاص کے حالات بھی درج کئے ہیں۔ خود ان کے حالات اور نمونہ کلام اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ غزل ملاحظہ ہو۔

روئے تاباں کو جو دیکھا بولے قامت دیکھئے
آفتاب حشر تو دیکھا قیامت دیکھئے

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم اور آپ چھپتے پھرتے ہیں
اپنی نفرت دیکھئے اور میری رغبت دیکھئے

جوڑتے ہیں ہاتھ ہم تم پاؤں دکھلاتے نہیں
اپنی نخوت دیکھئے اور میری منت دیکھئے

جان ہم دیتے ہیں اور تم کھینچتے ہو تیغ تیز
میری الفت دیکھئے اپنی عداوت دیکھئے

ہر گھڑی نام خدا اس بت کو رہتی ہے یہ فکر
چوٹی کنگھی کیجئے اور اپنی صورت دیکھئے

تم نے مجھی تک نہ دی اور ہم نے دل تک دیدیا
میری ہمت دیکھئے اور اپنی ہمت دیکھئے

ہاتھ پائی جب میں کرتا ہوں تو کہتا ہے وہ طفل
میری طاقت دیکھئے اور اپنی طاقت دیکھئے

ہم تو کرتے ہیں صفت اور آپ گالی دیتے ہیں
میری عادت دیکھئے اور اپنی عادت دیکھئے

بوسۂ رخسار مانگا تو یہ فرمانے لگے
جا کے منہ دھو آئیے اور اپنی رویت دیکھئے

آپ غیروں سے تو ناحق روز بچا کرتے ہیں
اپنی عزت دیکھئے اور ان کی عزت دیکھئے

جانب آئینۂ زانو جو دیکھا بول اٹھے
مثل آئینہ کہیں ہوئے نہ حیرت دیکھئے

پیار کی نظروں سے تو کب دیکھتے ہیں آپ ادھر
چتونوں سے قہر ہی کے ہوئے فطرت دیکھئے

(۳۸) شبنم۔ بابو بدری ناتھ بابو بہاری لال فطرت کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے خلیق اور سلیم الطبع تھے۔ فارسی اور اردو میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ شاعری میں مولوی مرشد حسن کامل کے شاگرد تھے۔ اپنی ذہانت سے ایک قسم کے حروف ایجاد کیے تھے جس میں خط و کتابت بہت اچھی طرح ہو سکتی تھی۔ آئینۂ تربت میں ان کی کئی غزلیں مندرج ہیں بعض اشعار اس جگہ نقل کیے جاتے ہیں۔

غیروں کو جو تم پاس بٹھاتے ہو خوشی سے
یہ رنج تو بندہ سے اٹھایا نہیں جاتا

کہتے ہیں وہ جب بوسۂ رخ مانگے شبنم
یہ وہ ہے خزانہ جو لٹایا نہیں جاتا

جو سوز دل زار لکھنے لگے | قلم بن گیا ہے چھری ہاتھ میں
تصور ہے شبنمؔ جو مضمون کا | قلم رہتا ہے ہر گھڑی ہاتھ میں

(۳۹) **فقیر**۔ منشی کیولا پرشاد ساکن مظفر پور۔ بڑے ذی علم شاعر و ادیب اور خوش نویس تھے۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور اردو میں پوری دستگاہ رکھتے تھے اور خوشنویسی میں خورشید رقمی مشہور تھے صوفیوں سے خاص شغف اور عقیدت رکھتے تھے چنانچہ حضرت سید شاہ علیم الدین بلخی قدس سرہ سجادہ نشیں خانقاہ فردوسیہ فتوحہ سے مخلصانہ اور عقیدت مندانہ مراسلت رکھتے تھے۔ موجودہ سجادہ نشیں عزیزی حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی سلمہ اللہ تعالیٰ کے کتب خانہ میں فقیر کا کچھ کلام اور دست خاص کی لکھی ہوئی وصلیوں میں فقیر کے طبع زاد اشعار اور فقیر کا ایک خط موجود ہے ان کی نقلیں آئندہ سطور میں درج کی جائیگی۔ گزشتہ سال اردو نمائش میں ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ اور اس کے ساتھ ایک مثنوی جس میں انہوں نے اپنی سرگزشت لکھی ہے پیش کی گئی تھی اس کے اشعار سے معلوم ہوا کہ راجا رام نراین موزوں اور ان کے بھائی راجا دھیرج نراین ان کے بزرگوں میں تھے بعض اشعار یہ ہیں۔

بیں احوال اپنا لکھوں مختصر | نہیں کذب کا اس میں کچھ ہے اثر
کہ تھے از بزرگاں من رنگ لال | دو فرزند ان کو لکھوں ان کا حال

(دو فرزندوں سے رام نراین اور دھیرج نراین مراد ہیں)

دوئیم وارث از روے سہمینگی! | ولے بخت سے محکوشرمندگی؟
نہیں ہے معاش و نہیں ملکیت | مگر اک وجہ رزق زیں کیفیت

ہوئے جبکہ ناظم مہاراج فرد | کہ از حاکمانِ سلف سبق برد
ہوئے تھے مہاراج معزول جب | ہوا ضبط جاگیر بھی اس سبب
مشاہرہ مقرر ہوا کچھ قلیل | کہ گزرا برس دو برس اس سبیل
ہوئے جب مہاراج بیکنٹھ باش | ہوا قبضے میں جملہ ان کا معاش
کہ تھے وارث از روئے شہمینگی | ریاست سے گزری لیفر خندگی
کہ اسم ان کا تھا رائے تواری لال | نہ تھی کچھ کمی ان کو دولت و مال

آگے چل کر انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تواری لال کے وارث تھے لیکن ان کی وفات کے وقت کمسن ہونے کے سبب مخالفت نے جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ فقیر کے دیوان کا کاتب اپنا نام شتاب رائے ساکن لودیکٹرہ پٹنہ بتاتا ہے کتابت ۱۲۴۷ھ فصلی کی ہے۔ اس دیوان میں ایک رباعی دیا بہادر نجفی کی بھی ہے جس کی آخر بیت یہ ہے۔

"بیہودہ نہ کر تو فکر دنیا نجفی | کر عیش جہاں میں زندگانی جب تک"

معلوم نہیں دیا بہادر نجفی کون تھے۔

کتب خانہ خانقاہ فتوحہ سے جو کلام اور وصلیاں دستیاب ہوئی ہیں ان میں فقیر کی تصنیف سے ہفت بند نعت شریف ہے جس کے صفحہ اول پر یہ عبارت ہے۔

"بعنایت الٰہی ہفت بند نعت شریف فقیر عاصی کیولا پرشاد خورشید رقمی طبع زاد خود بقصبہ مظفرپور قلمی نمود۔ ۱۲۸۶ھ ہجری

اس کا اوّل بند یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام اے فیض ذاتت بانیٔ دنیا و دیں — السلام اے ذات پاکت رحمۃ للعالمیں
السلام اے مقصد تنزیل قرآن مبیں — السلام اے وصف شانت طٰہٰ و یاسیں
السلام اے بارگاہت بارگاہ کبریا — السلام اے آستانت مہبط روح الامیں
السلام اے بادشاہ انبیاء و اولیا — السلام اے عقبہ ات بالاتراز عرش بریں
السلام اے شوکتت تاج و علم لوح و قلم — السلام اے جلوۂ تو نور خالق بالیقیں
نام تو تسبیح باشد ہر ملک را بر فلک — رشتۂ آں ربقۂ اسلام با حبل المتیں
ہر دو را ہر دو سرا از رحمتت امیدوار — رحمت للعالمینت گفت رب العالمیں
از طفیل خیر تو معدوم شد شر از جہاں — تو خدا فرمود در شانِ تو خیر المرسلیں
ورد دارد ہر نفس ثنا ہا فقیر بے نوا — یا محمد مصطفٰے و یا علی مرتضٰے

آخری بند یعنی بند ہفتم کے بعد جلی حروف میں فقیر کی یہ رباعی ہے ان کے دستخط کے ساتھ ہے۔

ہے نقل ہفت بند وظیفہ فقیر کا — مشتی ہوں یاسہ تخت جناب امیر کا
مولا نے وہ عروج دیا اس فقیر کو — چکرا رہا ہے ہوش فلک پر دبیر کا

(از فقیر کاتب الحروف)

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر ان کے ہاتھ کی لکھی ایک رباعی اس قدر خوبصورت نستعلیق میں لکھی ہوئی ہے کہ اگر یاقوت المستعصم زندہ ہوتا تو اس کی پوری داد مل سکتی تھی۔ دیکھنے والوں کا اس صفحہ سے نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا ہے۔ بہر کیف اس کی نقل یہ ہے۔

بعنایت الٰہی

اے کشورِ عیش زیرِ فرمانِ تو باد　　بر خلق دو جہاں ہمیشہ احسانِ تو باد
ذاتِ تو مقدس است و مقبولِ خدا　　ایں عبد و ہزار عبد قربانِ تو باد

(بندہ عقیدت نہاد کیولا پرشاد خورشید رقمی)

نقل خط (بنام سید شاہ علیم الدین بلخی قدس سرہ)

بحضور معدن النور جناب قبلہ دنیا و دیں و کعبہ صداقت پیشگان واثق الیقین دام کہنہ دکرامتہ۔

آداب و تسلیم فدویانہ و عقیدتمندانہ بجا آوردہ عرض میرساند کہ بافضال الٰہی و باقبال جناب عالی مقرونِ خیریت بودہ بدعاے دولت مصروف ست عیست پس از مدت مدید بورود مہربانے یار شفیق سراپا دانش و تمیز یعنی منشی عبدالعزیز صاحب خیر و عافیت مزاج مبارک دریافتہ شکر خداوند کریم بجا آوردہ و بافضال بندگان حضور کمترین از عوارض لاحقہ شفائے کلی یافت و آداب شکرانہ می رساند قبول خدمت بندگان عالی یاد و زبانی مولوی فضل حق صاحب شنیدہ بود کہ دایرۂ دولت بندگان حضور جلوہ پیراے ایں دیار خواہد بود حقا کہ کمال آرزو داشت مگر شومی طالع محروم ساخت باز معلوم شد کہ بعد ایام برشگال قدوم فیض لزوم رونق افزاے ایں سواد خواہد بود دیدہ باید کہ آں روز کدام روز خواہد بود کہ گرد نعلین شریف سرمۂ چشم خواہد نمود و امیدوار کہ بندۂ عقیدت نہاد حضور فیض پر نور از عنایت کریمانہ محروم نماند زیادہ حد ادب۔

آرزو دارم کہ خاکِ آں قدم　　توتیاے چشم سازم دمبدم

عرضی فدوی نیاز عاصی کیولا پرشاد خورشید رقمی دہم شہر ذالحجہ ۱۲۷۲ھ

از قصبہ مظفر پور۔

عرض مکرر اینکہ از ٹکٹ اکثر خطوط تلف شدہ است بنا بر بلا ٹکٹ

بیرنگ ارسال داشت۔

رباعی (بعنایت الٰہی)

فرض ہے مومن کو مرنا ماتم حسنین میں　　اس سے بہتر مرگ کی صورت نہیں کونین میں

یا علی یہ بندہ عاجز فقیر بینوا　　ہو فدا حسنین پر عشرہ کے شور وشین میں

(از فکر فقیر کاتب الحروف کیولا پرشاد خورشید رقمی)

ولہ

کہتے ہیں عزا کو کہ صنع کرتے ہیں　　مجبور ہیں ہم سن کے قنع کرتے ہیں

ایماں ہے فقیر بس عزائے حسنین　　کافر ہیں وہ جو اس سے منع کرتے ہیں

(از فکر فقیر کیولا پرشاد خورشید رقمی تخلص بفقیر)

فقیر کی وصلیوں کے علاوہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہفت بند کاشی

کی ایک نقل بھی نظر سے گذری۔

(۴۰) **جنگ بہادر** ۔ متخلص باسم خود۔ رائے کالکا سہائے رئیس اعظم

موضع بھکرا ضلع مظفر پور کے بیٹے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں تصنیف

و تالیف کا ذوق رکھتے تھے ان کا خاندان ترہت میں بہت ممتاز تھا۔ ان کے

اجداد عہد سلاطین تیموریہ میں علاقہ ترہت کے صدر قانون گو تھے خود رائے

جنگ بہادر انگریزوں کے عہد میں آنریری مجسٹریٹ کے عہدہ پر ممتاز تھے

تاریخ ولادت تخمیناً ۱۲۳۲ھ دریافت ہوئی ہے۔ ان کی تصانیف سے

کئی کتابیں لکھیں جو اب نایاب معلوم ہوتی ہیں کلام بھی نایاب ہے۔ بڑی تلاش کے بعد ان کے دست خاص کا لکھا ہوا ایک قصیدہ نظر سے گزرا جو فی الحال پٹنہ یونیورسٹی میں موجود ہے وہی اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

یہ قصیدہ ۱۲۶۵ھ میں مظفرپور میں نمائش کے موقع پر گورنر جنرل اور حکام ضلع کی مدح میں کہا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی تصنیف سے ایک رسالہ عربی میں موسوم بہ سرور المحزونین مورخہ ۱۲۸۰ھ بھی راقم نے پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ کردیا ہے اس سے ان کی عربی دانی اور علم تصوف سے شغف کا پتا ملتا ہے۔

قصیدہ در ذکر مدح جناب لاٹ صاحب گورنر جنرل بہادر و محامد حاکمان ضلع و ارباب کمیٹی نمایش گاہ مقام مظفرپور ضلع ترہت جکیدۂ خامۂ بندہ جنگ بہادر۔

پیدا کیا جو داور دوار نے جہاں
کتم عدم سے جلوہ خلقت کیا عیاں

علم و ہنر سخاوت و اقبال و مردمی
بخشا خدا نے عالم انساں کو بیگماں

بروضع ہر کسی کی نہیں ایک خطہ پہ
بیشک کمی و بیشی ہے ہر فرد میں عیاں

جس پر کہ لطف حضرت پروردگار ہے
عنصر میں اس کے پانچوں مرکب ہیں بیگماں

شام و عراق و روم و خراساں ملک چین
تاتار اور ختن و خطا اور سیستاں

تا دسع ڈھونڈا عقل نے عنقا سے علم کو
پایا نہ غیر خطہ پورب میں کچھ نشاں

لاریب وہ زمین ہے گنجینۂ علوم
ہر علم و ہر ہنر میں ہے سبقت سبھوں کو واں

بہتر سواد اس کو جو کہیے تو ہے بجا
یا غیرت ارم کہوں یا رو کش جناں

شہر اس کے ہیں نفیس کہ رضواں بھی دیکھکر
قطرات سلسبیل میں خجلت سے ہو نہاں

شادابی اور شگفتگی نزہت فزا ہے — جس کی نسیم سے ہے معطر مشام جاں

جنت کا کیوں گماں نہ ہو آثار خلد کے — ظاہر تو ہے بدیدۂ انصاف ہمگناں

نہریں ہیں سلسبیل و مکانات قصر خلد — دوشیزگان حور ہیں غلمان کودکاں

اشجار واں کے ہمسر طوبیٰ ہیں لطف میں — سرسبزی واں کی سبزۂ رخسار دلبراں

ہے خاک ایسی مشک جیسے دیکھو سیاہ — ہو زرد رو مقابلہ میں جس کے زعفراں

نسریں و نسترن و چنبیلی ہیں جن کے نام — کہتے ہیں سبزہ اے خرابی اُسے وہاں

ابر بہار کا تو سدا واں قیام ہے — آیا کبھی نہیں ہے وہاں موسم خزاں

باد سحر میں لطف یہ ظاہر ہے برملا — ہوتا ہے خون مشک نہ نافِ آہواں

آب و ہوا وہاں کی نہایت ہے دلپذیر — ہوتے ہیں سب حسین و طرحدار مردماں

پوچھے جو کوئی دیکھا ہے تم نے کبھی وہ ملک — جو اس طرح پہ ہانکتے ہو لن ترانیاں

کہنے کو بس جواب یہ کافی ہے خصم سے — فردوس تم نے دیکھا ہے بتلاؤ تو نشاں

علم و ہنر کا ذکر کروں اُن کے کیا مجال — بقراط و جالینوس اُن کے ہیں جاہلاں

حکمائے ماسبق کی وہی درسگاہ ہے — علم و ہنر کا جس میں ہوا نام اور نشاں

نام ہنر سے پہلے کسی کو نہ علم تھا — اہل فرنگ سے ملا فرہنگ کا نشاں

قریوں میں اور مصروں میں اضلاع میں تمام — زور رواج علم نے پایا بہر مکاں

گو آنکھ والے ... پشت فلک یہ دس — ہے تارم سماک یہ اندھوں کا دیدباں

تنہا ہاں ماسبق کا جو کچھ اختراع ہے — اس سے انھوں کے نام ہمیشہ رہے رواں

گردوں ہے اس کے درگہ عالی کے طوق میں — ہر روز اس کے جود سے ملتی ہیں روٹیاں

نایاب مستمند ہوا اس جہان سے — دولت سے بہرہ ور ہوا ہر فرد انس و جاں

عنقا ہے اس دیار میں وہ مستمند ہے — گردن پھرا کے دیکھے جو قاروں کو یک زماں

فی التمکین ممدوح

تمکیں کو اس کے عدل نے تولا جو کوہ سے
از بسکہ وہ خفیف ہوا یہ ہوا گراں

ہے رائے میں شتاب کا اس مرتبہ غلو
قطب فلک ہے جس کے مدارج کا کہکشاں

تحریر کے خدا گو راست منجم کہا کیے
تجرائی اس کی رائے سے اگلی ہوئی عیاں

لمعان نور عقل کا تاباں ہے اس قدر
خجلت کا داغ ماہ کے چہرے پہ ہے عیاں

فی الانتظام نمائش گاہ

قانون عدل و داد کا عالم میں شور ہو
آہنگ جس کے درس کا رکھتے ہیں داوران

پر اب تلک عوام کو اس سے خبر نہ تھی
عدل پدر کو ظلم سمجھتے ہیں کودکاں

بالفعل جو ہوا ہے نمائش کا اہتمام
آئین ... رموز کا عقدہ ہوا عیاں

اس روز غرض عام کی ہو خاصیت عجیب
ہو جنس و فصل و نوع کا جب شبہ نگاہباں

کیا خوب ہے وہ روز کہ جس روز میں تمام
ملحوظ شاہ ہوئیں رعایا کی خوبیاں

اشیائے نادرات و غرایب جہان کے
یکتائے ہر علوم و افراد سروراں

روئے زمیں کو زیب ہو جس چیز سے تمام
رشک چمن ہو عکس سے جس چیز کے جہاں

باغ ارم بھی ہے نمایش کی جائگاہ
ذات العماد جس کے بنے در پہ عز و شاں

اس روز کو جو دار جزا کہیے ہے بجا
ہر خدمتوں کا ملتا ہے انعام جب یہاں

روئے زمیں کی سیر تو کرنا محال ہے
تا نادرات صنع ہو مصنوع پر عیاں

پر جس کو شوق دید صنایع کا حق کی ہو
صدق دروں سے جائے نمایش میں ہو واں

صنعت کی دید حق ہے کہ صانع کی دید ہو
عرفان نفس معرفت حق ہے بے گماں

در مدح ارباب کمیٹی

گو بزم میں نمود ہیں سب نیک اختراں
ہیں ماہ و خور پر انہیں اولو العزم حاکماں

کیا شان حاکمی کی جبیں سے ہے آشکار | کیا نور عدل و داد کا صورت سے ہے عیاں
اقبال سایباں ہے دولت ہے زیر پا | بالِ ہما کا چتر ہے اوج فلک مکاں
ہیں مجمع علوم دنیا ہیچ جود کے | دریا نمط ہیں دست کرم سے گہر فشاں
رشک چمن ہمیشہ رہا گرچہ یہ دیار | مقدم سے سروروں کے ہوا اب یہ کہکشاں
توصیف ممبروں کی اگر کچھ رقم کروں | قرطاس سرفرازی سے ہو جائے آسماں
حکام ہیں محیط تو یہ جو تبار ہیں | بستانِ عدل وہ ہیں تو یہ ہیں کیاریاں

در خاتمہ

طاقت میں تو تو جنگ بہادر ضعیف ہے | بس فکر دل یہ زیر تری بڑی جاتی جواں
میدانِ مدح کا تو اگر شہسوار ہے | شدید یہ تیز خامہ کی اب روک لے عناں
غواص جو ہوا ہے محیط سخن کا تو | بیشک جناب لاٹ ہیں اس ڈر کے قدرداں
ابا یہ تیرے شاہوں کا دائم سلوک تھا | تاج الملوک لاٹ بھی تجھ پر ہو مہرباں
انعام عام ہے یہ تعجب کہاں کہ وہ | اس چھوٹے پن میں کو دیں تجھے سروراں
پروردگارِ عالم و خلاقِ کائنات | اس عہد و سلطنت کا ہو گرم مکاں بہاں
تیغ ظفر مدام ملازم ہو تخت کی | سکہ رہے ہمیشہ بڑے زمیں رواں

(۱۴۱) قدوسی۔ لالہ سیوک رام وکیل عدالت دیوانی شہر پٹنہ سخن شعرا میں ان کے یہ صرف دو شعر ملے۔

جی کو نہ چین ہوئے نہ آرام پائے دل | پھر کس امید پہ کوئی تم سے لگائے دل
اوڑھکر دھانی دوپٹہ بھی ابھی آؤ کبھی | ایک دن تو کشت امید غریباں سبز ہو

رائے بیجا تھ پرشاد غنیمت کے مشاعروں کی بیاض ۱۲۷۱ھ میں ان کا کلام معہ نام و تخلص بہت کافی مقدار میں پایا گیا وہ بجنسہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے۔

مخمس

نے خواہش انساں نہ پریزاد کریں گے — جی کو نہ غمِ ہجر میں برباد کریں گے
گل گشت نیا تانت سے دل شاد کریں گے — گلزار میں نظارۂ شمشاد کریں گے
یاد اب نہ کسی کا قدِ آزاد کریں گے

رسوائی عالم کا اگر تجکو نہیں ڈر — او ظالم بے رحم ذرا خوفِ خدا کر
اس دل کے ستانے کی سزا ہوگی مقرر — دنیا میں نہیں زور تو محشر میں ستمگر
اللہ کے آگے تری فریاد کریں گے

محبت میں تری لطف جو حاصل ہے مری جاں — مرنے پہ بھی جانے کے نہیں دل سے یہ ارماں
اس وضع کے صدقے ترے اس ڈھنگ کے قرباں — حوروں میں کہاں ناز و ادا صورتِ انساں
جنت میں بھی دنیا کے مزے یاد کریں گے

رہتی نہیں انساں کی صدا ایک سی حالت — مہماں ہیں دو دن کے یہ سامانِ مسرت
یہ لطف نہ پھر ہوگا نہ ہوئیگی یہ صحبت — ساقی نہ رکے دور یہ موسم ہے غنیمت
پیری میں جوانی کے مزے یاد کریں گے

غیروں کے لئے ہم سے نکر غمزۂ بیجا — غصہ دلِ غم دیدۂ عاشق کو نہ دلوا
دیکھو او ستم ایجاد جفا پیشہ خدارا — ہم خاک نشینوں کا ستانا نہیں اچھا
ہل جائیں گے افلاک جو فریاد کریں گے

آئینہ صفت صفحۂ دل کر کے مصفا — رکھتے ہیں جو لے مدِ نظر صورتِ زیبا
خود وہ بھی نہ کھنچتے ہیں مگر دل میں تمنا — کھینچیں گے سراپا شر اس لعبتِ چیں کا
بیکار قلم مانی و بہزاد کریں گے

غزل طرح

جان جاوے یہ نہ ہو خواہش جاناں پیدا
مر رہے یاں نہ رہے ہو نہ یہ ساماں پیدا

اُس طرف جانے کے ہونے لگے ساماں پیدا
توشۂ راہ عدم گرد دلِ نالاں پیدا

خواب میں کر کے ترے گیسوئے شبگوں کا خیال
روز کرتے ہیں حریف شب ہجراں پیدا

تھے یہ انداز نہ لیلی کے نہ شیریں کے یہ طور
کچھ نئے ڈھنگ کئے تم نے مری جاں پیدا

وصل کی شب ہی سحر کو بھی خداوند کریم
بدلے خورشید کے ہووے مہ تاباں پیدا

آئے وہ ماہ تو ہو رونق مہتاب دوچند
چاندنی رات میں ہو مہر درخشاں پیدا

راہ چلتے کبھی ہو جایا کرے یاد اللہ
ربط اتنا تو کرو ہم سے مری جاں پیدا

روٹھ کر ہم سے ملے جا کے جو تم غیروں سے
رنج تھا اور ہوا رشک رقیباں پیدا

تجھ پہ بس چل نہیں سکتا ہی دگرنہ اے دوست
بیل پہ یوں بھی کر دیتے ہیں انساں پیدا

یاد آئے جو شب وصل میں ایام فراق
دل نے کیا کیا نہ کئے حسرت و ارماں پیدا

رات آغوش میں تھا یار مقابل مہتاب
نشۂ مے نے کیا لطف دو چنداں پیدا

اُٹھ گیا سلسلہ مہر و وفا عالم سے
دوست سے ہونے لگی دشمنیٔ جاں پیدا

تو وہ محبوب صنم ہے کہ جہاں میں تجھسا
نہ پریزاد ہوا کوئی نہ انساں پیدا

عرش سے تا بہ زمیں تجھ پہ سبھی مائل ہیں
نام خوبوں میں کیا تم نے مری جاں پیدا

گرمیٔ صحبت اغیار ابھی ٹھنڈی ہو
سرد آہوں سے کریں ہم جو زمستاں پیدا

کوئی شیریں کوئی لیلی کوئی کہتا ہی ہمیں
نام کیا کیا نہ کئے تم نے مری جاں پیدا

دل بیتاب نے رہنے نہ دیا ہم کو کہیں
سیکڑوں شہر ہوئے لاکھوں بیاباں پیدا

بے وفا تو ہے پریزاد مقرر ورنہ
اس قرینے کے تو ہوتے نہیں انساں پیدا

ایک دن بھی رخ روشن نہ دکھایا تم نے
روز کرتا ہے سحر مہر درخشاں پیدا

غم فرقت کی نہیں تاب ہمیں اے نذری
یا خدا جلد ہو اب وصل کا ساماں پیدا

⁂

زردیٔ رنگت سے یہ بھی ہمہ تن زر ہو گیا
تھا گدا یہ عشق کی دولت تونگر ہو گیا

دیدہ رشتے روتے آنسو کا سمندر ہو گیا
دل ہمارا صبر کرتے کرتے پتھر ہو گیا

دل تصور کرتے کرتے عین دلبر ہو گیا
ذرۂ ربط نور سے مہر منور ہو گیا

عشق نے آخر کو رنگ حسن دکھلایا مجھے
عرض سمجھے تھے جسے وہ عین جوہر ہو گیا

کیا تغافل ہے کبھی یہ بھی نہ پوچھا کون ہے
میں کئی دن آپ کے گھر بندہ پرور ہو گیا

عاشق و معشوق میں ہوتے ہیں کیا کیا اختلاط
چھو لیا دامن کو کیوں جامہ سے باہر ہو گیا

کھائیں غم آنسو پئیں باتیں سنیں اغیار کی
یہ تری سرکار سے ہم کو مقرر ہو گیا

دشت وحشت میں بڑھی مجنوں کی جب ہمت تو حق
ہر بگولا نجد کی وادی میں رہبر ہو گیا

صاف مہر اعکس ہے اس میں نہیں ہمسر ترا
آئینہ کو دیکھ کر کیوں تو مکدر ہو گیا

ربطِ دل کہتے ہیں اس کو دیکھ کر رقصاں آ گئے
پاؤں تھرانے لگے اور سر کو چکر ہو گیا

تھا غضب کا وقت وہ پہلو سے جس دم اٹھ گیا
چلتے ہی چلتے بنا سامانِ محشر ہو گیا

ایک جا ہوتا نہیں جب آپ کو دم بھر قرار
کس طرح غیروں کے دل میں آپکا گھر ہو گیا

مل گیا دل سے ہمیں دلدار کا اپنے سراغ
طالب اپنا آپ تھا میں شوق رہبر ہو گیا

خواب میں بھی ہم تو دیکھیں گے حسینوں کا جمال
قصہ یوسف زلیخا نقش دل پر ہو گیا

جھک گئے ہم اُن سے ملے اغیار غیرت سے کئے
قامت پر خم ہمارا ان کو خنجر ہو گیا

اس سراپا ناز کے قدموں پہ سر صدقہ کیا
قرض یہ ہم سے ادا اللہ اکبر ہو گیا

وصل کی شب گر نہیں گستاخیاں تم سے ہوئیں
کیوں خفا نذری تمہارا تم سے دلبر ہو گیا

(۴۲) **مختار**۔ لالہ خوب لال عظیم آبادی عدالت میں مختار کا پیشہ کرتے تھے اور اسی رعایت سے مختار تخلص کیا تھا۔ راے بچناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعرہ سنہ ۱۲۷۱ھ کی روداد میں ان کا ذکر اور یہ غزل پائی گئی۔

گر کروں نظم میں وصف رخ جاناں پیدا — مطلع نور سے ہو مطلع دیواں پیدا
سرو قد تو ہے دہن غنچہ ہے عارض گل ہے — تو نے اے شوخ کیا حسن گلستاں پیدا
قد موزوں سے ترے اس کو بھلا کیا نسبت — یہ نزاکت کو کرے سرو گلستاں پیدا
جاتے ہی فصل بہاری کے خزاں کے باعث — تختۂ گل میں ہوے خار مغیلاں پیدا
جوش پر آئے ہمارا جو یہ سیلاب سرشک — کشتی نوح سے ہوئے ابھی طوفاں پیدا
ضبط ہر چند کیا سوز دروں کو لیکن — دیدۂ تر نے کیا یہ غم پنہاں پیدا
قدر مختار کی لازم ہے سخن دانوں کو — پھر نہ ہوگا کبھی ایسا کبھی سخنداں پیدا

(۴۳) **شاد**۔ بابو گنگا پرشاد عظیم آبادی۔ راے بچناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعروں کی روداد سنہ ۱۲۷۱ھ میں ان کی یہ غزلیں ملیں زیادہ حالات معلوم نہیں۔

جلوہ گر جس گھر میں تو اے ماہ انور ہو گیا — ماہ ہر روزن ہوا ہر ذرہ اختر ہو گیا
کس طرح آوے جواب نامہ محو دید ہو — بلبل شیدا گل رخ کا کبوتر ہو گیا
فصل گل میں کیوں نہیں ملتا ہی بلبل کا دماغ — بیٹھنے سے گل یہ کیا سرخاب کا پر ہو گیا
تو خدا اے حسن ہی ملنا ترا معراج ہے — پاس تیرے جو گیا بیشک پیمبر ہو گیا
آتے ہی فصل بہاری کے ملا جام شراب — گل کی کلیوں سے لبط مے کو بھی کیا یہ ہو گیا
غیر سے تو ملتفت ہے ہمکو حسرت ہی رہی — جس کو تم ناچیز سمجھے تھے وہ ہمسر ہو گیا
سن کے میرے شعر کو کہنے لگے اہل سخن — شاد بھی اس عمر میں کیا ہی سخنور ہو گیا

(۴۴) **عاجز** - لالہ کملا پرشاد عظیم آبادی شاگرد منشی ہیرا لال تسکین - تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ایک شعر پایا گیا - ان کی تین غزلیں تمنی کے گلدستہ سوم و چہارم (۱۲۹۵ھ) میں موجود ہیں، وہ اس جگہ نقل کیجاتی ہیں -

لشکر ہے اپنے ساتھ غم و رنج و آہ کا
اندوہ و یاس ہے کہ رسالہ سپاہ کا

یہ ابر ہے کہ عکس ہے بخت سیاہ کا
یا چھا گیا فلک پہ دھواں میری آہ کا

گر ہے یہی طریق تری رسم و راہ کا
اٹھ جائیگا رواج زمانے سے چاہ کا

نے سوز دل ہے اب تو نہ شعلہ ہے آہ کا
بجھتا ہوا چراغ ہوں میں صبح گاہ کا

اس چشم سرمگیں پہ نہ کس کس کا دل گیا
کشتہ نہیں ہے کون خدنگ نگاہ کا

یوں ہی رقیب ناز اٹھائیں گے آپکے
معلوم ہوگا حال مرے بعد چاہ کا

خستہ کیا خراب کیا مجکو تو نے بھی
اب تک نہ جی بھرا فلک کینہ خواہ کا

میری تو راہ عشق میں کی کچھ نہ رہبری
کیا خضر ساتھ دیویں گے گم کردہ راہ کا

سینہ میں اپنے لا یہ بسمل سا ہو طپاں
یہ دل ہدف ہوا کسی تیر نگاہ کا

ابرو کے بوسہ پر میں سزاوار قتل ہوں
خود اعتراف مجکو ہے اپنے گناہ کا

ہر روز گھر رقیبوں کے جایا نہ کیجئے
کچھ بھی تو کہنا مانئے اس خیر خواہ کا

اک عمر رشک یوسف کنعاں کی کی تلاش
کتنے کنویں جھکا دیے بر ہے چاہ کا

پہلو سے مرے چھید کے دل کو نکل گیا
اللہ رے توڑ آپکے تیر نگاہ کا

رنج شب فراق میں اندھیر اور ہے
آنا یہ گھیر گھیر کے ابر سیاہ کا

پہلو تہی کریگا یہ دل ہم سے ایک دن
کرنا یہ بے سبب نہیں اک آہ آہ کا

ملک عدم میں اپنا پہونچنا محال ہے
منزل ہے دور سر پہ ہے بوجھا گناہ کا

منہ دیکھنے کی ان کے تو صورت نہیں ہے
پردا سا پڑ گیا ہے کچھ ہم نگاہ کا

اس آسماں نے خاک میں سب کو ملا دیا
باقی نشاں گدا کا ہے نے بادشاہ کا

کہتے ہیں ابر تر جسے وہ اپنا اشک ہے
بجلی ہے جس کا نام وہ شعلہ ہے آہ کا

احساں سے موت کے مجھے تو نے بچا لیا
قاتل بھلا ہو اس تری تیغ نگاہ کا

گر گر کنویں میں جان میں دیدوں گا ایک دن
یوں ہی رہا جو شوق زنخداں کی چاہ کا

آئے عدم سے ہستی میں تھے خالی ہاتھ ہم
اور یاں سے لے چلے ہیں ذخیرہ گناہ کا

دونوں میں اس کے روئے مصفا کا نور ہے
کیا رتبہ اس کے سامنے خورشید و ماہ کا

واعظ چھڑایا چاہتا ہے شغل عشق تو
یہ شغل جو ہے مجھے شام و پگاہ کا

برگشتگی بخت کا اپنے یہ ہے اثر
پھرنا مری نظر سے تمہاری نگاہ کا

دو گز کفن سوا تو نہ کچھ ساتھ لے گیا
اک شور تھا جہاں میں سکندر کی جاہ کا

خاک لحد سے نرگس شہلا ہوئی نمود
کشتہ جو تھا کسی کی میں چشم سیاہ کا

ہے دل کے آئینہ میں تری شکل جلوہ گر
کس واسطے اٹھاؤں میں احساں نگاہ کا

عاجز یہ وہ غزل ہے کہ فیض شکیب سے
بزم سخن میں شور رہا واہ واہ کا

دیگر

ممکن نہیں ہم سے کہ کبھی ترک وفا ہو
ہر چند دل اپنا ہدف تیر جفا ہو

اے جذب محبت تری تاثیر سے کیا ہو
خود آکے ملیں وہ جو مرا جذب رسا ہو

انسان ہو پر حسن میں تم سب سے جدا ہو
حوروں سے ہو بہتر کہیں پریوں سے سوا ہو

اے زلف معنبر تری کیا ہم سے ثنا ہو
تشبیہ دیں گر مشک ختن سے تو خطا ہو

اچھا نہیں ہوتا مرض عشق کا بیمار
وہ درد ہے یہ جس کی نہ عیسیٰ سے دوا ہو

کیا جرم وگنہ کیا مری تقصیر خطا ہے
کچھ کھل کے کہو کس لئے تم مجھ سے خفا ہو

کیا حسن خداداد ہے اے بت ترا واللہ
دیکھے جو فرشتہ بھی تو سو جان سے فدا ہو

بے وجہ نہیں ہے فلک پیر کو گردش
عاشق یہ جوانی پہ کسی کی نہ ہوا ہو

منظور نظر ہوے تو لے جاؤ اڑا کر
حاضر ہے یہ دل دیکھتے کیا ہو سوچتے کیا ہو

تنک ہے دل گم گشتہ یہ اپنے تو یہی ہے
اُس زلف مسلسل میں الجھا نہ رہا ہو

چلتے تو ہو اٹکھیلیوں کی چال مری جان
خلخال کی آواز سے محشر نہ بپا ہو

سینے سے لپٹ جاؤ ہوئے کان ملاحت
پھر کیوں نہ یہ زخم دل صد چاک ہرا ہو

ہر بات پہ تہر کرتے ہو ہر دم ہو اُلجھتے
کہہ بیٹھیں جو کچھ ہم بھی تو کیا جانیے کیا ہو

کیا جانتے تھے لے کے مکر جاؤ گے یہ دل
کس طرح کھلے جی میں کسی کے جو دغا ہو

کر بیٹھے یوں ہی عشق بتاں سمجھے نہ بوجھے
اب تڑپو پڑے حضرت دل اور کڑا ہو

ہم عشق بتاں چھوڑ تو دیں حضرت ناصح
پر عمر بسر ہونے کی صورت کہو کیا ہو

لائی نہ کبھی نکہت گیسوئے معنبر
چل دور ہو اے باد صبا یاں سے ہوا ہو

تم وہ ہو کہ تم پر ہیں فدا ہم سے ہزاروں
غیرت کی جگہ یہ ہے کہ تم غیر کو چاہو

کیونکر کف افسوس نہ حسرت سے ملے وہ
دل جس کا تری اٹھتی جوانی پہ فدا ہو

عاجز نہ رکھو چشم وفا ماہ رخوں سے
جب تک کہ بنے تم سے محبت کو نباہو

بغیر دید اُڑے جاناں ترے بتیں تڑپا کریں گے
اجل تو جھگڑا چکا دے اپنا فراق میں جی کے کیا کریں گے

یہ حسن والے کسی پہ اے دل کبھی نہ مہر و وفا کریں گے
دعا کریں گے دعا کریں گے دعا کریں گے دعا کریں گے

کیے جو اس بت نے مرتے زندہ لگے سب آپس میں ملکے کہنے
دنیا میں یہ حسن معجزہ سے ہمیشہ مردے جیا کریں گے

ہے درد پہلو کی اتنی شدت بہت ہوئی ہے ہماری حالت
اجل تو آ جا کہ ہو چکے ہیں صحبت کہاں تک دکھ سہا کریں گے

بتوں کو سمجھے تھے ہو دلبر یہ نکلے یہ اتنے سخت پتھر
نہ جانتے تھے کہ دل کو لیکر ہم سے ایسی دغا کریں گے

بھرا ہو دل میں بخار کلفت تپ جدائی کی ہے حرارت
اگر یہ سوز دروں سلامت دھوئیں کہ سے اٹھا کریں گے

نہ بک تو بیہودہ ناصح اتنا دماغ میرا عبث نہ تو کھا
بچھڑیں گے ہم بتوں سے تم غم و الم سب سہا کریں گے

کرو جو جور و جفا سو کم ہے نہیں کچھ اس کا مجھے الم ہے
قسم ہے جب تک کہ دم میں دم ہے کبھی نہ ترک وفا کریں گے

کیا دل و دیں تو تم پہ صدقے عزیز کچھ بھی رکھا نہ تم سے
رہی ہے اک جان تن میں جو یہ اسے بھی اک دن فدا کریں گے

اٹھیں گے عشاق خاک میں سے پھریں گے داد دینے کو اب
جو یوں ہی اے جان روز و شب یہ بکھرے گیسو بنا کریں گے

چلن لڑکپن ہیں یہ نرالے ابھی سے چلتے ہیں بانکپن سے
جوان نام خدا جو ہوں گے تو اک قیامت بپا کریں گے

یہ جوش پر اشک کا ہے جیحوں ہو گئے غرق کوہ و ہامون
بہے گا شکل حباب گردوں یوں ہی جو طوفاں اٹھا کریں گے

یہی میں گر ڈوبے جنوں کے تو بھر کے دامن میں سنگ ریزے
پھریں گے ہر اک طرف لڑکے ہمارے در پے ہوا کریں گے

جنوں کے ہاتھوں سے تنگ آئے بہار جب اپنی ٹانکے ٹوٹے
رفو ہوں گے کس طرح زخم دل کے یہ چاک کب تک سیا کریں گے

نہ کر تو عاجز ہوں کے الفت یہ دیکھ کر انکی بھولی صورت
کریں گے کب تجھ سے یہ محبت ہمیشہ جور و جفا کریں گے

(۴۵) نسیمؔ۔ بابو ہر بہر چرن عظیم آبادی زیادہ حال معلوم نہیں۔ راجہ بیجناتھ پرشاد سنگھ کے مشاعرہ ۱۲۷۱ھ کی بیاض میں ان کی یہ غزلیں پائی گئیں۔

دست رنگیں کا ترے مجکو جو سودا ہو جائے
ید بیضا مجھے ہر آبلۂ پا ہو جائے

نرگسی چشم کو گل اس کے جو دیکھوں میں کہیں
خار آنکھوں کے تلے نرگس شہلا ہو جائے

اس کی فرقت میں ان آنکھوں کو روا رکھتا ہوں
کوئی جاناں کہیں سیل سے دریا ہو جائے

بڑھے معلوم ہوں یہ سرو سہی باغ میں سب
گر تصور میں کہیں وہ قد بالا ہو جائے

چشم جادو کے اشارے سے جئے ہیں مرے
منفعل دیکھ کے کیونکر نہ مسیحا ہو جائے

نیچی نظروں سے جو پھر کر کبھی دیکھے قاتل
طرفۃ العین میں عالم تہ و بالا ہو جائے

دل بیمار تپ ہجر کو کہتے ہیں طبیب
شربت وصل پلا دو ابھی اچھا ہو جائے

گر تری چشم سیہ مست کو دیکھے ساقی
جام صہبا کا مقرر اسے دھوکا ہو جائے

شوخی غنچہ بہت دیکھ رہا ہوں میں نسیمؔ
باغ میں ہنس کے وہ بولے تو یہ رسوا ہو جائے

غزل

دل میں ہے عکس خم زلف پریشاں پیدا
بال آئینہ میں ہوئے بت ناداں پیدا

کیوں شہادت کے لئے لوگ تمنا نہ کریں
زخم بھی ہوتے ہیں اس تیغ کے خنداں پیدا

گل داغ اس نے ہزاروں ہی دئے ہیں مجھکو
شکر ہے دل میں ہوا ایک گلستاں پیدا

کیا میں تشبیہ دوں لعل لب جاناں سے اسے
ایسی رنگت تو کرے لعل بدخشاں پیدا

کیوں رلاتے ہو بس آجاؤ گلے لگ جاؤ
کر چکے تم تو بہت فتنے مری جاں پیدا

عشق مژگان ستمگر کے جو موت آئی تھی
مرے مدفن سے ہوئے خار مغیلاں پیدا

ہے پریزادوں سے اب ہم کو ہمیشہ صحبت
ہم بھی دنیا میں ہوئے رشک سلیماں پیدا

ٹیڑھی ٹوپی جو ہے سر پر تو کمر میں ہے چھری
خوب اک وضع یہ کی تم نے مری جاں پیدا

اس کی رفتار سے تشبیہ سراپا ہے غلط
یہ چھلاوے تو کرے کبک خراماں پیدا

آنکھ دکھلائی ہے کیا اس نے چمن میں جاکر
نرگسیں ہوتی ہیں کیوں باغ میں حیراں پیدا

اے نصیر تری اتنی تو عنایات رہے
جب خیال آئے تو ہو جلوہ جاناں پیدا

مر رہا ہوں غم فرقت میں تجھے ہے یہ گریز
اور پری کچھ بھی تو کر الفت انساں پیدا

خواب دیکھا جو زلیخا کی طرح میں نے نسیم
میری نظروں میں ہوا جلوہ جاناں پیدا

(مندرجہ ذیل غزل اول ورق غائب ہونے سے ناتمام ہے)

خال و خط کی اس کتابی رخ کے تجھکو ہے جو یاد
پارہ پارہ کیا تجھے قرآن ازبر ہو گیا

کیا کہوں سوز تب ہجراں کی گرمی الاماں
آبلہ دل کا مرے ہر ایک اخگر ہو گیا

جب کہا ہم نے کہ تمکو عارضہ رونے کا ہے
ہنس کے بولے وہ اجی تمکو یہ کیونکر ہو گیا

اے جنوں سودا ہے کس محبوب سیم اندام کا
حلقہ زنجیر ان پاؤں میں زیور ہو گیا

نامہ بر کی کچھ نہیں حاجت ہے ہمکو اے پری
شوق سے نامہ ہمارا خود کبوتر ہو گیا

سرو کے مصرعہ کو کاٹیگا مقرر باغباں
گر تمہارے قد موزوں کے برابر ہو گیا

بن ترے او گل بدن نکلے جو ہم گلگشت کو
خار آنکھوں میں ہماری ہر گل تر ہو گیا

سوزش غم مکتوب ہے نامہ نہیں مرے قاصدا
مرغ نامہ بر ہمارا اک سمندر ہو گیا

یاد میں میں اُس کتابی رُخ کے ایسا گھل گیا — استخواں ہر ایک میرا تارِ بستر ہو گیا

کیا کہوں وہ یہ غبارِ خاطرِ نالاں نسیم — آجکل وہ تند خو ہم سے مکدر ہو گیا

(۴۶) **غنیمت** ۔ رائے بھیا کتھ پرشاد خلف رائے کوسل سنگھ رئیس عظیم آباد اردو شعر و شاعری سے خاص شغف رکھتے تھے۔

انھوں نے اپنے مکان پر ۱۲۷۱ھ میں بڑے دھوم دھام سے مشاعرے کیے تھے۔ دو شاعروں کی غزلیں تاریخ مشاعرہ اور شعرا کے نام و تخلص کے ساتھ ایک بیاض میں راقم کی نظر سے گذریں ان شاعروں میں عظیم آباد کے اکثر مشاہیر شعرا شریک ہوئے تھے۔ غنیمت کی غزلیں اسی بیاض سے نقل کی جاتی ہیں۔

لوٹے گُل کانٹوں پہ صورت جو ذرا دکھلا دو — چاک داماں کرے غنچہ جو قبا دکھلا دو

گرمیٔ آتشِ بے دودِ حنا دکھلا دو — جا کے گلشن میں گلوں کو کفِ پا دکھلا دو

رات بھر نیند نہیں آتی ہے بیتابی سے — اب تو منہ چاند سا اے ماہ لقا دکھلا دو

سینہ کر چاک دکھاؤں تمھیں دل میں نے کیا — ہنس کے بولا کہ بہت خوب ذرا دکھلا دو

منہ کی خوبانِ پریرو کو کھلا دو صاحب — آج چلکر کوئی انداز نیا دکھلا دو

بند ناقوس کی آواز ہوئی نالوں سے — اب صنم جلوۂ دیدار ذرا دکھلا دو

گر تمھیں دام میں لانا ہو کسی وحشی کو — زلف پر پیچ جو ہے دام بلا دکھلا دو

چال میں مُردے تیری چال سے جی اٹھتے ہیں — ہو بپا حشر جو ٹھوکر کی ادا دکھلا دو

زلف بکھرا دو ذرا چہرۂ نورانی پر — اس غنیمت کو کہیں ملکِ خطا دکھلا دو

❊

صاف ہر ذرہ میں ہو صورتِ جاناں پیدا — نور کچھ بھی تو کرے دیدۂ حیراں پیدا

تیرے دانتوں کے تصور میں جو میں رویا ہوں — مری آنکھوں سے ہوئے ہیں درِ غلطاں پیدا

کیا انھیں گریۂ شبنم پہ ہنسی آتی ہے — کیوں صبا باغ میں گل ہوتے ہیں خنداں پیدا

گل بھی دیوانے ہوئے کیا ترے اے رشک چمن | پھاڑنے کے لئے کرتے ہیں گریباں پیدا
دیدۂ دل سے اسے دیکھوں تمنا ہے یہی | خانہ چشم میں ہو جلوۂ جاناں پیدا
کیا میں تشبیہ دوں سلک دُر دنداں سے ترے | آبداری تو کرے گو ہر غلطاں پیدا
فرقتِ یار میں روتا ہوں غنیمت دن رات | ہوئے ہیں رونے کو بس دیدۂ گریاں پیدا
جب مرے دل کو خیال ماہ پیکر ہو گیا | آہ آتش بار کا ہر شعلہ اختر ہو گیا
واہ رے تاثیر جذب نالۂ شبگیر کی | آج میرے گھر میں سو سو بار دلبر ہو گیا
کیا ہی طوفاں خیز ہے اے حشر موج آستیں | دامن دریا بھی اب تو اشک سے تر ہو گیا
اس قدر صدمے اٹھائے تیری فرقت کے صنم | دل ہمارا چوٹ کھاتے کھاتے پتھر ہو گیا
بے گلی مجھکو شب ہجراں رہی اے رشک گل | خار جائے فرش گل ہر تار بستر ہو گیا
کس پری پیکر کا سودائی ہوں اے جوش جنوں | خانہ زنداں مرے رہنے کو کیا گھر ہو گیا
اے غنیمت اب بقول آتش رنگیں بیاں | دل ہمارا صبر کرتے کرتے پتھر ہو گیا

(۴۷) شاد۔ بابو سیتا پت عظیم آبادی ان کا زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ ان کی غزلیں مع نام و تخلص بیاض مشاعرہ ۱۲۷۰ھ سے پائی گئیں وہ اس جگہ بجنسہ نقل کی جاتی ہیں۔

بعد مدت یہ ہوئی صحبت یاراں پیدا | تازہ مضمون کرے اے شاد سخنداں پیدا
عرض ہے جو ہر عارض کا ترے چہرۂ نور | تیرے کوچہ سے ہوا روضۂ رضواں پیدا
گر کھلیں لعل گہر بار ترے دریا میں | رنگ یاقوت کرے گو ہر غلطاں پیدا
سبزۂ خط کی رُخ یار پہ ہے تازہ بہار | فصل گل آئی ہوا باغ میں ریحاں پیدا
باغ میں دست حنا بستہ جو تو دکھلائے | سرو کی شاخ سے ہو پنجۂ مرجاں پیدا
پر تو رخ سے ہر اک ذرہ ہوا مہر منیر | ہر ستارے سے قمر کرتی ہو افشاں پیدا

شاد دل شاد ہو آتی ہے چلی فصل بہار ⁂ گریہ ابر سے ہوگا گل خنداں پیدا

ہمیں کیا کام گل سے کس لیئے جائیں گلستاں میں ⁂ فدائے گل رخاں ہیں رہتے ہیں کوئے حسیناں میں

یہ ممکن تھا کہ ہوتا ایک عالم تابع فرماں ⁂ کھدا ہوتا نام تیرا اے پری مہر سلیماں میں

کوئی ساقی سے کہدے آئے گلشن میں بہار آئی ⁂ مئے گلگوں کا پینا لطف دیتا ہے گلستاں میں

خدائی میں ہوئے بدنام کافر لوگ کہتے ہیں ⁂ تمہارے عاشق ہوئے اے بت تو آیا فرق ایماں میں

غزالوں سے تری آنکھوں کی نسبت نامناسب ہے ⁂ کہ ناطق اور مطلق کا ہے فرق انساں و حیواں میں

بیکایک پھر گئے آنکھوں میں ساماں شب وصلت ⁂ گل و بلبل کو دیکھا ہم نے جب باہم گلستاں میں

سخن سنجی کا ہم بھی ادعا اے شاد رکھتے ہیں ⁂ ملا دیتے ہیں اپنی نظم کو ہم نظم سحباں میں

(۴۸) فرد - بابو کالی بت عظیم آبادی۔ غالباً بابو سیتا پت شاد کے قرابت مند تھے ان کی غزلیں مع نام و تخلص راے بجناتھ پرشاد سنگھ کے مشاعرہ (سنہ ۱۲۷۱ھ) کی بیاض میں پائی گئیں جو اس جگہ بجنسہ درج کی جاتی ہیں۔

طاق ابرو سے ہوا کعبۂ ایماں پیدا ⁂ بدلے زمزم کے ہوا چاہ زنخداں پیدا

ٹھوکریں کھا کے ہوں پامال ہر اک وحشی دشت ⁂ چال تیری جو کرے کبک خراماں پیدا

مہندی ملوا کے رقیبوں سے جلایا ہمکو ⁂ یہ نیا رنگ کیا تم نے مری جان پیدا

حسن کا یوسف کنعاں کے فقط شہرہ تھا ⁂ تیرا ثانی نہ ہوا پر کوئی جاناں پیدا

ملی اس شوخ سمن بو نے جو مہندی تو کھلا ⁂ شاخ نسریں سے ہوا پنجۂ مرجاں پیدا

عکس اس مہر جبیں کا جو پڑا پانی میں ⁂ برج آبی سے ہوا مہر درخشاں پیدا

نظم پیرائی جو منظور رہے تم کو اے فرد ⁂ ابتدا ہی سے کرو طرز سخنداں پیدا

کوئی وحشت زدہ مجھ سا نہ ہوگا دور دوراں میں ⁂ نہ اک دم چین ہے گھر میں نہ آسائش بیاباں میں

سمجھ کر آشیاں بلبل لگانا شاخ پر گل کی ⁂ لگے ہیں جا بجا پھندے رگ گل کے گلستاں میں

کلی بیلے کی پتوں میں چھپالے شرم سے منہ کو
تمہارے دانت کھل جائیں اگر سیر گلستاں میں

دل زاہد میں بھی ہے خدا کے حسن کی صورت
تصور یوں ہی اک بت کا ہے میرے دل جلے میں

نہ دیکھا دیدۂ انصاف نے تجھسا کوئی دلبر
برنگ شمع گو جلتا رہا بزم حسیناں میں

تمہارے دست رنگیں کی ترا کت دیکھ کر جانی
نہ کیوں مرجاں چھپالے منہ کف دریا عماں میں

نہیں ہے فرد کو کچھ غم جو تو نظروں سے غایب ہے
تری شکل آئینہ دیکھ رہی ہے چشم حیراں میں

(۸۹) **حشمتی** - لالہ ماتادین کا یستھ سری باستو عظیم آباد کے مشاہیر شعرا میں تھے عرصہ تک مظفرپور میں منصفی کے عہدہ پر فایز رہے اور ۱۸۸۹ء میں گیا میں صدر اعلیٰ تھے۔ اُردو فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے۔ میر وزیر علی عبرتی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ خاں بہادر مولوی سید خیرات احمد صاحب نجب بی اے۔ بی ال۔ ساکن پالی رئیس گیا سے بہت ربط رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی تصنیف خمسۂ کاملہ میں لکھا ہے کہ رائے ماتادین محرم کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں اور انہیں کی سعی سے میر ہادی وحید صاحب ۱۸۸۲ء میں گیا تشریف لائے اور سال بسال آیا کئے رائے صاحب آئمہ اطہار سے خاص عقیدت رکھتے تھے چنانچہ خمسۂ کاملہ میں ان کی یہ رباعی بھی درج کی ہے۔

خوشا وہ لوگ جو آئے ہیں بزم ماتم میں
خوشا وہ ہاتھ جو پیٹے حسین کے غم میں

وہ دل ہو خاک نہو جس میں اہل بیت کا غم
وہ آنکھ پھوٹے جو روئی نہ ہو محرم میں

تذکرہ سخن شعرا میں ان کا ذکر اور یہ شعر پایا جاتا ہے۔

دیکھیں گے حسن حور تو پھسلے گا دل ضرور
جنت میں بھی یقین ہے نہ آرام پائے دل

رائے بیجناتھ پرشاد غنیمت کے مشاعروں کی بیاض (۱۲۷۸ھ) میں انکی یہ غزلیں ملیں۔

ہم بغل اگر جو وہ خورشید پیکر ہو گیا
داغ تھا جو اپنے سینے میں وہ اختر ہو گیا

کیا قیامت ہے دوپٹا زعفرانی آپ کا
جس نے دیکھا آپ کو جامہ سے باہر ہو گیا

جتنا روتا ہوں ہری ہوتی ہے اس کی کشت غم
دامن ابر بہاری دیدۂ تر ہو گیا

اس نے واں آنکھیں لڑائیں چوٹ یاں دل پر لگی
غیر کی آنکھوں کا ڈھیلا مجکو پتھر ہو گیا

ایک گل جب بار دوش باد صرصر ہو گیا
بلبلوں کے ہوش اڑنے کے لئے پر ہو گیا

تیرے دیوانے میں رنگ گل سے بھی اے نازنیں
موج بوئے گل کا جھونکا مجکو پتھر ہو گیا

تو نہیں آتا، کسی صورت سے یہ ٹلتا نہیں
کیا غم ہجراں مجھے چھاتی کا پتھر ہو گیا

اڑتی پڑتی یہ خبر پیک صبا نے دی مجھے
خط کے ٹکڑے اڑ گئے پرزے کبوتر ہو گیا

زندگی کا لطف مجکو جان دینے میں ملا
آب حیواں مجکو قاتل آب خنجر ہو گیا

بے ترے اے بحر خوبی جب نہانے میں گیا
حلقۂ گرداب دریا مجکو خنجر ہو گیا

یاد میں اک بادہ کش کی دل فنا ہونے لگا
دور جام مے مری نظروں میں خنجر ہو گیا

سخت جانی نے مری اس کو پشیماں کر دیا
ہاتھ میں قاتل کے پانی پانی خنجر ہو گیا

بزم میں دیکھا جو مجکو اس نے آنکھیں پھیر لیں
ہائے کیا برگشتہ آج اپنا مقدر ہو گیا

آگ پانی میں لگاتا ہے ہمارا سوز دل
اشک کا قطرہ جو نکلا صاف اخگر ہو گیا

حسرتیں جو دل کی تھیں سب اپنے دل میں رہ گئیں
وہ نہ آئے اور مرا وعدہ برابر ہو گیا

تیغ قاتل کی بدولت اپنا پردہ رہ گیا
زخم دامن دار چھپتے چھپتے چادر ہو گیا

خلق کے طعنے سے رسوا ہوئے در در پھرے
جو نہ ہونا تھا وہ سب اے بندہ پرور ہو گیا

دشت میں مجھ ناتواں کو خوب سرگرداں کیا
دور جام مے ایاغ سر کو چکر ہو گیا

سینہ تو مدت سے ہے ماتم سرا اے تشنہ
ایک دل باقی تھا وہ بھی درد کا گھر ہو گیا

مرے گل پیرہن کی جب ہوئی آمد گلستاں میں
اڑا رنگ چمن غنچوں نے منہ ڈالا گریباں میں

مرے میں ہر کجا کر یاد رنگ سبز جاناں میں
بنایا چاہیئے مدفن ہمارا کشت ریحاں میں

یہ کس وحشت زدہ کی خاک ہے مرنے پہ گرد اڑ کر
بگولا بنکے اڑتی پھرتی ہے دشت بیاباں میں

جہاں جو رنگ ہو ویسا....لطف دیتا ہے
بگولا دشت میں ہو جائے نکہت ہو گلستاں میں

بہک سیر دیکھے جانے کی مناہی کون کرتا ہے
نسیم صبح کا مانع نہیں کوئی گلستاں میں

شکر خوروں کو دیتا ہے شکر اللہ اے زاہد
شراب پاک ہے رندوں کا حصہ باغ رضواں میں

سنگھا کر بوئے زلف عنبریں ان کو ہوا کر دے
ترے دیوانوں کو اب غش پہ غش آتے ہیں زنداں میں

نظر بازی کا لیکا قید میں بھی مجھکو رہتا ہے
جڑی ہیں اپنی آنکھیں روزن دیوار زنداں میں

نہ دیکا جیتے جی صیاد گلشن کی اگر رخصت
موئے پر خاک بلبل اڑ کے پہونچے گی گلستاں میں

صبا کیوں کو بکو میری طرح آوارہ پھرتی ہے
مگر اس کا بھی دل الجھا کسی کی زلف پیچاں میں

تری زلفوں سے کیا تشبیہ دوں یہ کب مقابل ہیں
نہ ایسے خم ہیں پیچاں میں نہ یہ بو عشق پیچاں میں

تصور رات دن رہتا ہے خوش چشموں کا آنکھوں کو
ہوا ہے آشیاں مرغ نظر کا نرگستاں میں

تجھے کہتے نہ تھکتے ہم زمزمہ سنجی نہ کر بلبل
تری آواز پر صیاد پھر پہونچا گلستاں میں

مریضان محبت ہوں دوا کے کس لئے طالب
مسیحا جو مزا ہے درد میں وہ کب ہے درماں میں

کیا ہے چشمی زخمی مجھے تیغ تبسم نے
گل خنداں کا عالم ہے ہمارے زخم خنداں میں

⁂

ستمگر روتے ہو کیوں ہیں ماہ پیکر سیکڑوں
دل سلامت ہے تو مل جائیں گے دلبر سیکڑوں

گندمی رنگ ان کا کیا ہے اک بلائے جان ہے
آسیائے عشق میں مرتے ہیں پس کر سیکڑوں

شکل میری دیکھ کے کہنے لگے وہ ناز سے
ایسے دیوانے پڑے پھرتے ہیں در در سیکڑوں

کردیا ضبط فغاں نے جا بجا سینہ کو چاک
ہوگئے دل کی نظر بازی کو اب در سیکڑوں

آپ کی ڈیوڑھی بھی کیا کوئی زیارت گاہ ہے
جب نہ تب دیکھو کھڑے رہتے ہیں زائر سیکڑوں

دست رس ہائے نگاریں تک نہیں تو نا نصیب | مرگئے مثل حنا عشاق پس کر سیکڑوں
دشمنی باز آؤ اُس سے جی لگاؤ اور سے | حور وش لاکھوں پڑے ہیں ماہ پیکر سیکڑوں

⁂

خندۂ گل سے ہی رمز دل نالاں پیدا | خاک بلبل سے ہوا ہے یہ گلستاں پیدا
دہنِ غنچۂ گل سے یہی آتی ہے صدا | چاک کرنے کو ہوا ہے یہ گریباں پیدا
مردم دیدہ نہ اُس پردہ نشیں کو گھوریں | چادر اشک کر اور دیدۂ گریاں پیدا
جان آئے تن بے جاں میں جو آجائے بہار | ہو رگ ابر بہاری سے رگ جاں پیدا
کشتۂ ناوکِ مژگان ستمگر ہوں میں | کیا عجب خاک سے میری ہو نیستاں پیدا
مرے دم تک ہے ترے کاکل پیچاں کا یہ بل | پھر نہ ہوئیگا کوئی سلسلہ جنباں پیدا
رفتہ رفتہ غم فرقت میں ہوا اپنا وصال | بڑھ کے کی درد نے خاصیت درماں پیدا
مار رکھا ہے حسینوں کی اداؤں نے مجھے | روز ہوتے ہیں نئے جان کے خواہاں پیدا
صدمے کچھ کم تو نہ تھے گور کی اندھیاری کے | کیوں ہوئی پھر یہ بلائے شب ہجراں پیدا
آدمی ہو تو سماجت پہ مری رحم کرو | گر پری ہو تو کریں ہم بھی پری خواں پیدا
پرتو حسنِ رخ یار کا یہ سب ہے طلسم | وہ نہ ہوتا تو نہ ہوتے یہ گلستاں پیدا
تھا ازل سے جو میں اُس حسن خداداد کا محو | صورت آئینہ آنکھیں ہوئیں حیراں پیدا
دیکھ کر شعلۂ رخسار کو دل خاک ہوا | گرمی حسن نے کی آتش پنہاں پیدا
کیسی ساعت میں لگایا تھا یہ نخل امید | نہ ہوا پھل کوئی جز حسرت و حرماں پیدا
لیکے بازار حسیناں میں اسے خوب پھرے | جنس دل کا نہ ہوا ایک بھی خواہاں پیدا
قسمیں کھائی تھیں وہ لکھے تھے مچلکے کیسے | پھر کیا ربط رقیبوں سے مری جاں پیدا
لے پری چہرہ سراپا جو ترا نظم کروں | مصرعۂ قامت موزوں سے ہو دیواں پیدا
جب ہوئی فکر سخن تیری ہم آغوشی میں | سارے مضمون ہوئے دست و گریباں پیدا

حشمتی بڑھتی ہی جاتی ہے یہ بیماری دل　　کوئی اس درد کا ہوتا نہیں درماں پیدا

(۵۰) بدرؔ ۔ راجا گنگا پرشاد شاگرد گل محمد خاں ناطقؔ مکرانی زیادہ حال معلوم نہ ہوا بیشتر فارسی کہتے تھے ان کی دو غزلیں فارسی میں جو حشمتی کے مشاعرہ چہارم کے گلدستہ میں نظر سے گزریں وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا صرف ایک ہی شعر مندرج ہے۔

غزل

اول از بارگہ عشق نشانم دادند　　بعد ازیں منصب فریاد و فغانم دادند

ناخدا ترس بتانند کہ از سنگدلی　　شیشۂ دل بشکستند و ہمانم دادند

آستینے نفشانند بچشم نمناک　　بدم مرگ کفن زآب روانم دادند

وائے بیرحمی و فریاد ازیں بیدادی　　دل ربودند بشادی غم جانم دادند

دل بدادند مگر صاعقہ کردار طپاں　　چشم دادند ولے اشک فشانم دادند

دوشم از بار فراقش نہ سبک شد تا زیست　　بعد مردن بہ کراین خرقہ ندانم دادند

گردش چرخ بیک چشم زدن پس افگند　　پیش ازیں آنکہ ہمہ شوکت و شانم دادند

اے دل فاختہ خو بند لب آہ کشا　　مژدۂ ز آمدن سرو روانم دادند

شکوہ نیست بجز شکر و صبوری اے بدرؔ　　گرچہ صد داغ بدل ماہ رخانم دادند

تا کہ سودائے سر زلف بتانم دادند　　پائے دل در خم زنجیر گرانم دادند

طاقتم طاق مرضہائے فراقش کردند　　قوت ضعف سراپا بہ توانم دادند

چشم بد دور کہ از ساغر چشم بدمست　　بادۂ ہوش ربا مغبچگانم دادند

چہ زنم گام بہ میدان فراغ عشرت　　در کف طالع پا لنگ عنانم دادند

از مئے صاف محبت چو حقم بخشیدند　　جرعۂ چند دمادم بدہانم دادند

للہ الحمد کہ بالاف زنی کائے نیست | صفتِ عاجزی وضبط چنانم دادند
خدمت دشت نوردی چو بیابان آمد | از پے آہ زنی حکم ردانم دادند
رہزناں صف مژگاں لبِ منزل وصل | ہمہ تاراج متاع دل وجانم دادند
جہل با جاہل اجہل نتواں کرد خموش | تو بداں پدر کہ گویا نہ زبانم دادند

(۵۱) **شاد**۔ رائے درگا پرشاد عظیم آبادی راجا رام نراین موزوں کے ورثا میں تھے مرداں علی خاں رعنا کے شاگرد رشید اور خود صاحب دیوان تھے ان کا دیوان اور ان کی تصنیف سے ایک مثنوی موسوم شگوفۂ محبت کے قلمی نسخے گزشتہ سال پٹنہ کی اردو نمایش میں پیش کیے گئے تھے مثنوی غالباً طبع بھی ہوئی تھی لیکن اب مطبوعہ نسخہ نایاب ہے۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا مختصر ذکر اور ایک شعر پایا جاتا ہے۔

دن کو جو شغل گریہ ہے تو شب کو آہ کا | پوچھو نہ حال کچھ مرے حال تباہ کا

کنور سکھراج بہادر رحمی کے مشاعروں میں سنہ ۱۲۹۵ھ میں انھوں نے غزلیں پڑھی تھیں۔ تین گلدستوں میں ان کا کلام نظر سے گذرا جو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

سرسبز ہو یہ چمن ہمیشہ | قایم رہے انجمن ہمیشہ
ہیں ہجر میں خستہ تن ہمیشہ | پابند غم و محن ہمیشہ
افسردہ چمن میں دیکھ مجھکو | گل رہتے ہیں خندہ زن ہمیشہ
اے جان جہاں تمھیں ہے زیبا | یہ ناز یہ بانکپن ہمیشہ
آخر کو یہی لباس ہوگا | پہنے ہی رہو کفن ہمیشہ
مرقد میں یاد رفتگاں سے | خلوت میں ہے انجمن ہمیشہ

بس دیکھ کے تیری شوخ چشمی | وحشت میں پھرے ہرن ہمیشہ
ثابت نہ ہوا دہن تمہارا | باتوں میں رہا سخن ہمیشہ
تیغ ابرو کی یاد میں آہ | رہتا ہوں میں خستہ تن ہمیشہ
یہ مشک ہوا نہ دور چیں سے | زلفوں میں رہی شکن ہمیشہ
اے دل تو اگر ہے مائل عشق | پڑھ قصۂ نل دمن ہمیشہ
زنار گلے میں عشق کا ہے | اوس بت کا ہوں برہمن ہمیشہ
پھر خط نہ ہو نکل کے غایب | سورج میں رہا گہن ہمیشہ
عاشق پائے وصال معشوق | بلبل کو ملے چمن ہمیشہ
زلف مشکیں کی نکہتوں سے | مہکے چین و ختن ہمیشہ
اللہ رے جوش قلزم فکر | مضمون ہے موج زن ہمیشہ
مجھ سے دم بھر کی گرم جوشی | غیروں سے ہے یہ چلن ہمیشہ
شیریں نے کبھی نہ بات پوچھی | مرتا رہا کوہکن ہمیشہ
گردن میں مری بندھی ہے تا زیست | ان گیسوؤں کی رسن ہمیشہ
مجنوں ایک لیلی کا بنا ہوں | اس سے بھاتا ہے بن ہمیشہ
سویا جولیٹ کے رات وہ گل | سونگھا کیا پیرہن ہمیشہ
بس دیکھ کے میرے زخم سینہ | ہوتے ہیں وہ خندہ زن ہمیشہ
ہے طبع رواں میں جوش مضموں | یہ بحر ہے موج زن ہمیشہ
دل کے دینے کا یہ مزا ہے | جھیلے رنج و محن ہمیشہ
بوسہ کی طلب پہ وائے قسمت | پھیرے ہے وہ دہن ہمیشہ
اک رات کے وصل کی حسد پر | دشمن کو رہی جلن ہمیشہ

ہے باعثِ فرحتِ دل و جاں | شغلِ شعر و سخن ہمیشہ
ہو عذر کئے کبھی نہ آئے | اچھا نہیں مکر و فن ہمیشہ
پھولوں میں نہ جامہ میں ہمارے | بر میں جو ہو گلبدن ہمیشہ
سن سن کے مرا کلام ای شاد | دل شاد ہیں اہلِ فن ہمیشہ

دن کو جو شغل گریہ ہے تو شب کو آہ کا | پوچھو نہ حال کچھ میرے حال تباہ کا
رکھا نہ دیر کا تو مجھے خانقاہ کا | یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا
دشمن بنا دیا مجھے اک رشک ماہ کا | یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا
اچھا نتیجہ مجکو دکھایا ہے چاہ کا | یارب برا ہو اختر بخت سیاہ کا
دکھلائے پیچ کاکل شبرنگ کے مجھے | کیونکر نہ شکوہ میں کروں بخت سیاہ کا
راتوں کو ہم تڑپتے ہیں ان کو خبر نہیں | شاید اثر بھی جاتا رہا اپنی چاہ کا
رہتا ہے کچھ بھی باقی نہ مرقد میں امتیاز | ہے ایک حال اس میں گدا اور شاہ کا
ہم سے ہے احتیاط رقیبوں سے اختلاط | ظالم نے خوب ڈھنگ نکالا ہے چاہ کا
آئے اگر جفا یہ وہ سفاک کینہ جو | دنیا میں پھر محل نہیں کوئی پناہ کا
قاتل لہو رلائیگا یہ ظلم حشر میں | ناحق تو خون کرتا ہے مجھ بے گناہ کا
بے وجہ ہے ابھی سے قیامت کی بے رخی | کیونکر بھلا خیال ہو تم سے نباہ کا
مژگاں کی صف کھڑی ہے برابر جمی ہوئی | مشکل ہوا ہے بچنا بھی تیرِ نگاہ کا
مانو نہ مانو تم کو ہے ہر طرح اختیار | احوال سن تو لو مرے حال تباہ کا
موسیٰ لگائیں سرمۂ طور اپنی آنکھ میں | مجکو ہے نورِ عین غبار اس کی راہ کا
اے شاد مجکو کچھ نہیں روز جزا کا غم | رکھتا ہوں میں وسیلہ حبیب الٰہ کا

دیگر

ہمارا یار گر ہم سے جدا ہو | خدا جانے ہمارا حال کیسا ہو
یہی ہے آرزو اپنی خدا سے | کہ اس بت سے بر آئے مدعا ہو

کیا الٹ پھیر ہے کیا شانِ خدا ہے ظاہر　　شانہ گیسو پہ کبھی شانے کے اوپر گیسو

(۵۳) **شایقؔ** منشی للتا پرشاد ابائی وطن فرخ آباد تھا عظیم آباد میں مستقل سکونت اختیار کی اور یہیں کے ہو گئے۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ذکر ہے اور رحمنی کے مشاعرہ چہارم کے گلدستہ میں ان کی یہ غزل ہے۔

نیرنگ دیکھ دیکھ کے اس کارگاہ کا　　سالک ہوا نہ کوئی محبت کی راہ کا
واقف نہیں کہ ضد تھی فرشتوں کو مجھ سے کیا　　نام عاصیوں میں لکھ دیا مجھ بے گناہ کا
کان ان کے بھر گئے ہیں رقیبوں کی بات سے　　سنتے نہیں وہ قصہ کسی دادخواہ کا
کیا کیا نحوستیں وہ دکھاتا ہے رات دن　　شاید زحل ستارا ہے بخت سیاہ کا
خنجر عبث دکھاتا ہے قاتل تو دم بدم　　مقتول میں تو ہوں تری تیغ نگاہ کا
کیوں مرغ دل کے واسطے پھندے کی ہے تلاش　　خم کم نہیں ہے جال سے زلف سیاہ کا
خوبانِ سبز خط کی جدائی سے ہمدمو　　کاہیدہ جسم پر مرے دھوکا ہے کاہ کا
لے شرم سے اگر رخ روشن کے ہو حضور　　کافور نور ہوئے رخ مہر و ماہ کا
تریاق وصل ہے مری عیسیٰ نفس دوا　　کاٹا ہوا ہوں ہجر کے مار سیاہ کا
وعدے کئے تھے آپ نے جو جو شب وصال　　ایفا جو کیجئے تو مزا اٹھے چاہ کا
ڈوبے گا ایک روز تو بحر وصال میں　　شایقؔ اگر ہے شوق تہ دل سے چاہ کا

(۵۴) **شمسؔ**۔ منشی پرمیشر سہائے ساکن عظیم آباد۔ تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ذکر ہے انجمن رحمنی کے مشاعرہ سنہ ۱۲۹۵ھ کے ایک گلدستہ میں ان کی یہ غزل مندرج ہے۔

ہاں یہ مانا کہ جو نکلے بھی تو مر کر نکلے　　پر یہ حیرت ہے کہ اس کوچہ سے کیونکر نکلے
دیکھ کے حسنِ بتاں منہ سے نکلتا ہے درود　　پھول بنکر مری نظروں میں وہ پتھر نکلے

کیوں نہ مٹ جاؤں میں اے دل کہ وہ فرماتے ہیں — آؤں گھر میں ترے بن غیر جو باہر نکلے
شمع کی طرح ہجوم آج ہے پروانوں کا — کیا وہ رکھتے ہوئے سر پہ کلہ زر نکلے
شمسؔ مے نوش نے لکھی یہ غزل فرقت میں — شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تر نکلے

(۵۵) **قاصر**۔ لالہ جگت بہاری لال باشندہ عظیم آباد کوچہ جو الال متصل گذری ضمیر بلگرامی کے شاگردوں میں تھے اور میر رضا حسین صاحب رئیس محلہ مذکور کے مدار المہام تھے۔ تاریخ شعرا بہار میں ان کے یہ دو شعر پائے جاتے ہیں۔

ہوتے ہیں وصل یار کے ساماں نئے نئے — پھر دل میں جمع ہوتے ہیں ارماں نئے نئے
آتا ہے آج سیر کو وہ غیرت بہار — بدلے گا اب تو رنگ گلستاں نئے نئے

(۵۶) **گیسو**۔ بابو نند کشور سنگھ عظیم آبادی۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ایک مقطع پایا جاتا ہے پوری غزل گلدستہ انجمن رحمتی (مشاعرہ چہارم) میں موجود ہے وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

کیا کیا ستم ہوا فلک کینہ خواہ کا — لیکن نہ نکلا منہ سے کبھی نام آہ کا
دکھلاؤں گر اثر دل نالاں کی آہ کا — پرزہ اڑا پھرے فلک کینہ خواہ کا
مانگے جو مجھ سے جان بھی دوں ابھی اسے — حالانکہ میں فقیر ہوں پر دل ہے شاہ کا
مہتاب میں جو داغ نمایاں ہے کیا سبب — سایہ پڑا ہے کیا مرے بخت سیاہ کا
قاتل نہ کر تو عاشقوں کو قتل بے خطا — گردن پہ اپنی خون نہ لے بے گناہ کا
ہر روز آپ غیروں سے رہتے ہیں عیش میں — خوش کیجیے ایک دن تو دل اس خیر خواہ کا
کب یہ حسین تجھ سے نباہیں گے دوستی — اے دل خیال رکھتا ہے کس سے نباہ کا
ہمراہی مجکو چھوڑ کے تنہا چلے گئے — مشفق نہ حال پوچھئے گم کردہ راہ کا

لخت دل اپنا کھایا ہے خون جگر پیا
فرقت میں اک حسیں کے برا ہوے چاہ کا

بدر منیر گھٹتا ہے ہر روز کس لیے
شاید کہ حسن دیکھا ہے اوس شک ماہ کا

اس ہستی دو روزہ پہ دو دن کے واسطے
اے منعمو کرو نہ غرور اپنی جاہ کا

زوروں پہ وحشت اے تو جرسے اکھاڑ دیں
سمجھیں گے کوہ قاف کو ہم برگ کاہ کا

الزام تجھکو کیا دوں تری کچھ خطا نہیں
اے بت ترا بھلا ہو برا ہوے چاہ کا

یوں زار ہو کے تیری گلی میں پڑا ہوں میں
جس طرح راہ پر ہو کوئی برگ کاہ کا

گیسو نہ فکر کیجیے عقبیٰ کی دل میں آپ
دھوئیں گے رو کے اشک سے دفتر گناہ کا

(۵۷) جمیلؔ۔ لالہ امر چند ساکن آرہ تلمیذ صفیر بلگرامی۔ ان کا کلام ان کے ورثا کے پاس تھا راقم کو پتا نہ ملا۔ صفیر کے دیوان اول موسوم بہ صفیر بلبل میں جمیل کا کہا ہوا قطعہ تاریخ طبع ہے وہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

میر فرزند احمد عالی ہمم یعنی صفیر
ہیں وہی راس الرئیس و مرجع برنا و پیر

سال تاریخ ان کے دیوان کا جمیل خوشنوا
از سر زور طبیعت لکھ کلام بے نظیر
۱۲۸۵ھ

(۵۸) خبیرؔ۔ بابو بلدیو پرشاد اگروال باشندہ آرہ تلمیذ صفیر بلگرامی۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے۔ ان کا کلام بہت تھا لیکن دستیاب نہ ہوا۔ شاہ قمر الدین حیدر قمر آروی کی مثنوی سراج دولت میں ان کا یہ قطعہ تاریخی فارسی میں طبع ہوا تھا۔

قطعہ

قمر صاحب طبع روشن بدہر
عیاں کردہ چوں حسن طبع نکو

سن عیسوی وقت اتمام طبع
شدہ، نظم تر شد ز کلکم شنو
۱۸۹۴

صفیر بلگرامی نے جلوہ خضر میں ان کا ذکر کیا ہے۔

(۵۹) **نظر**۔ بابو باسدیو داس رئیس آرہ تلمیذ حکیم سید شاہ قمرالدین حیدر قمر آروی عرف شاہ قمر۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کا کلام موجود تھا لیکن اب نایاب ہے اپنے استاد قمر کی مثنوی سراج دولت کی انھوں نے بھی تاریخ طبع کہی تھی وہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

نظم رنگیں قمر در عالم ہست عزت دہ گلزار بہشت
سن طبعش نظر از فکر رسا تحفت شاقہ نظم نوشت

(۶۰) **افسر**۔ راجا پدمانند سنگھ بہادر۔ راج بنیلی دھرپور ضلع پورنیہ و بھاگلپور کے مالک تھے۔ ۱۸۸۳ء میں انتیس سال کی عمر میں اپنے والد مہاراجہ لیلانند سنگھ کی جگہ پر مسند نشیں ہوئے اردو فارسی انگریزی اور بنگلہ ہر چہار زبان میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔گاہ گاہ اشعار بھی کہتے تھے۔ خم خانۂ جاوید میں بھی ان کا ذکر ہے۔نمونہ کلام یہ ہے۔

دل میں حسرت نہ رہے آج اگر تم چاہو لب بلب سینہ بسینہ ہو بسر آج کی رات
بل بے شوخی کہ مجھے آپ تو بھیجا نہ جواب خط نہ لکھنے کا گلہ اس پہ ہوا اللہ اے شوخ
چاہنے والے کی ہوتی نہیں چاہت برباد شمع جلکر ہوئی پروانہ کی صورت برباد
قدرداں ہم ہیں ہمیں اکے منگھا دو صاحب مفت کیوں کرتے ہو تم زلف کی نکہت برباد
جو آرزوئیں دل میں تھیں سب خاک ہو گئیں تیغ اجل نے کاٹ دئے دست و پائے حرص

(۶۱) **عاجز**۔ منشی میوا لال متوطن ضلع گیا۔ محکمہ پولس میں سب انسپکٹر تھے ۱۸۸۷ء میں دربھنگا میں اپنے عہدہ پر کام کرتے تھے اس زمانہ

میں ان کے یہ اشعار گلدستہ پیام یار (بابت ماہ نومبر سنہ ۱۸۸۶ء) میں شایع ہوئے تھے۔

شب ہجراں ہمارے نالہ و آہ — عجب کیا ہے ہلادیں آسماں تک
دل ناداں سمجھتا ہی نہیں کچھ — بھلا اس کو میں سمجھاؤں کہاں تک

پنشن یافتہ ہونے کے بعد انھوں نے اپنے کلام کا ایک مختصر مجموعہ موسوم کلید گنجینۂ توحید، سنہ ۱۹۲۷ء میں شایع کیا تھا یہ مختصر مجموعہ سولہ صفحوں کا ہے ان کا کلام صوفیانہ رنگ کا ہے۔ پھر سنہ ۱۹۳۰ء میں دوسرا مجموعہ موسوم بہ سِرّ توحید شایع کیا تھا۔

عالم غیب سے عاجز یہی آتی ہے صدا — کچھ نہیں ہے کہیں کچھ واحد مطلق کے سوا
جلوۂ ذاتِ خداوند تعالیٰ میں ہوں — علم توحید و تصوف کا تجلا میں ہوں
خود ہی طالب ہوں میں خود ہی ہوں مطلوب اپنا — خود ہی معشوق ہوں خود عاشق شیدا ہوں

خدائی کہتا ہے جس کو عالم سو وہ بھی ہے اک خیال میرا — بدلتا صورت ہزار ڈھب سے ہر ایک دم میں ہے حال میرا
کہیں ہوں سورج کہیں ہوں ذرہ کہیں ہوں دریا کہیں ہوں قطرہ — دنور کثرت سے اپنی مجکو ہوا ہے ملنا محال میرا

اس کے بعد ایک مستزاد، اٹھارہ رباعیاں اور چند غزلیں ہیں اوّل رباعی یہ ہے۔

دنیا ہے حقیقت میں خمار ہستی — ہیں خاک یہ سب نقش و نگار ہستی
جانا نہ صفائی یہ جہاں کی عاجز — مٹی میں ملائے گا غبار ہستی

(۶۲) **صادق**۔ بابو پرتھو نرائن۔ گیا کے اطراف میں کسی دیہات کے رہنے والے تھے اور رانچی میں عدالت کے مختار تھے۔ رسالہ پیام یار لکھنو بابت ستمبر سنہ ۱۸۸۶ء میں ان کی غزل شایع ہوئی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

تعجب کچھ نہیں جل جائے گر عرش — پہونچتے ہیں یہ نالے لامکاں تک

(۶۳) **ستم**۔ منشی درگا پرشاد خلف منشی ہیرالال قوم کایستھ ساکن گیا۔ ۱۸۴۳ء کے قریب پیدا ہوئے۔ شاعری میں کیفی گیاوی سے اصلاح لیتے تھے پھر سلیمان خاں جادو ساکن کواتھ ضلع آرہ کو بھی اپنا کلام دکھاتے تھے ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

صاف آئینہ نہ ہو تو وہ صورت نما نہ ہو ‌ ‌ صورت نما نہ ہو تو وہ صاف آئینہ نہ ہو
رگڑ رگڑ کے جبیں سنگ آستانہ یار ‌ ‌ مٹا دیا نہ ہو تجکو تو میرا نام نہیں
ہمیشہ جا کے پھر پھر آنا یہی تماشہ ہوا کریں گے ‌ ‌ ہوا رہیگی خلاف جبتک تو الٹے دریا بہا کرینگے

(۶۴) **بیتاب**۔ لالہ کشن نرائن متوطن بھاگلپور ۱۸۹۷ء میں فوت ہوئے ان کا ایک دیوان شایع ہوا تھا مگر راقم کو دستیاب نہوا۔ ان کے دو شعر ایک صاحب کو یاد تھے وہ اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

ہوائے سیر گلستاں میں ہوں میں سرگرداں ‌ ‌ پھرے گا ساتھ ہمارے کہاں کہاں صیاد
ترے کوچہ کے لاکھوں راستے ہیں ‌ ‌ بھلا کیونکر نہ دھوکا کھائے عاشق

(۶۵) **الفت**۔ لالہ امرت رام عظیم آبادی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں کہتے تھے ان کا ذکر تاریخ شعرائے بہار میں بھی پایا جاتا ہے خم خانہ جاوید کے مطابق ۱۸۷۴ء میں حیات تھے۔

رحمتی کے مشاعروں کے تین گلدستوں میں ان کا کلام راقم کی نظر سے گذرا جو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ۱۲۹۵ھ تک یقیناً زندہ تھے۔

رباعی مندرجہ گلدستہ سوم

گذرے ایام نوجوانی افسوس ‌ ‌ وہ رنگ شباب ارغوانی افسوس
پیری آئی کہ کوئی قاصد آیا ‌ ‌ لایا ہے جواب زندگانی افسوس

دیگر

وہ عیش وہ ساز اے جوانی افسوس — وہ وصل کی شب وہ شادمانی افسوس
کیا حال کہوں جو تیری صحبت چھوٹی — تنہائی گو دِ بے زبانی افسوس

غزل

دیکھی تری انجمن ہمیشہ — تھا پیش نظر چمن ہمیشہ
زخموں سے ہے زیب تن ہمیشہ — گلنار ہے پیرہن ہمیشہ
ممکن نہیں وصل ہو میسر — اغیار ہیں رخنہ زن ہمیشہ
تھا دل کو لگاؤ ابروؤں سے — دیکھا کیے بانکپن ہمیشہ
کرتا رہا ہم سے آسماں چال — کج اس کا رہا چلن ہمیشہ
ناقوس عبث بتوں کے آگے — پھونکا کیے برہمن ہمیشہ
اثبات دہن میں گفتگو کیا — غیروں سے جو ہو سخن ہمیشہ
جاتا نہیں مے کشی کا لپکا — مستانہ رہا چلن ہمیشہ
کیا تیغ ہے باڑھ پر تمہاری — جوہر سے ہے موج زن ہمیشہ
نرگس کی نظر کہیں نہ لگ جائے — جایا نہ کرو چمن ہمیشہ
اللہ رے اشک کی روانی — چشمے ہیں یہ موج زن ہمیشہ
چوٹی کا بندھا نہ ہم سے مضمون — الجھا ہی رہا سخن ہمیشہ
ساقی سے ہے وارست ہمکو — میخانہ رہا وطن ہمیشہ
مژگاں کی خلش گئی نہ دل سے — پہلو میں ہے نیش زن ہمیشہ
کوچہ ہے بتوں کا دل سے ہشیار — ہیں گھات میں راہزن ہمیشہ
کس بت نے سنی صدائے تکبیر — زاہد رہے نعرہ زن ہمیشہ
غربت میں بھی ہم تھے فارغ البال — تھا پیش نظر وطن ہمیشہ

کیونکر نہ ہو عشق دشمنِ جاں — ہے باعثِ صد محن ہمیشہ
ہم مست ہیں پھول لے رہے ہیں — ہے مدِّ نظر چمن ہمیشہ
تھی دل کو جو کمر کی الفت — بڑھتا رہا ضعفِ تن ہمیشہ
داغوں سے ہوا یہ لطف حاصل — پہلو میں رہا چمن ہمیشہ
مرتے رہے جیتے جی بھی تم پر — تھا جامۂ تن کفن ہمیشہ
گیسو کا ہے تیرے گرم بازار — سودا کا رہا چلن ہمیشہ
عقدہ یہ کھلا ترے دہن کا — سربستہ رہا سخن ہمیشہ
کیا زور ہے اضطراب دل کا — اک برق ہے شعلہ زن ہمیشہ
ہے دل میں ہجوم درد و غم کا — دن رات ہے انجمن ہمیشہ
ساقی وہ مئے دو آتشہ دے — جو دل میں ہو شعلہ زن ہمیشہ
وصف رخ گل رخاں سے الفت — رنگیں ہے مرا سخن ہمیشہ

دیگر گلدستہ چہارم

تھا دل کو عشق سرمۂ چشم سیاہ کا — نعرہ بلند ہو نہ سکا اپنی آہ کا
حامی خدا ہے آج بتو دادخواہ کا — جھنڈا اگر ہے عرشِ معلّی پہ آہ کا
تو وہ بنا چکے جو مجھے گرد راہ کا — تو پھر ہدف بھی کیجئے تیر نگاہ کا
دنبالہ ہے یہ سرمۂ چشم سیاہ کا — یا ہے نشان میل پرستاں کی راہ کا
دیوانہ ہوں میں آپکی ترچھی نگاہ کا — ڈھیلا مجھے لگائیے چشم سیاہ کا
سودا ہوا ہے یار کی زلف سیاہ کا — پھر سلسلہ بڑھا ہے مرے دل کی آہ کا
کاوا دکھادو آج سمند نگاہ کا — باندھا ہے گھر جو حلقۂ زلف سیاہ کا
کچھ غم نہیں فراق کے روز سیاہ کا — ہے دل میں عشق ایک بت رشک ماہ کا
ہاتھوں میں ان کے شوخیٔ رنگ حنا نہیں — ہتھے چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا
ہوتے ہیں قتل جنبش ابرو سے سیکڑوں — پھر ذکر کیا ہے آپکی تیغ نگاہ کا

خواجہ عزیز نے بزم سخن کے تذکرہ میں ان کا تخلص طرزی لکھا ہے مگر دو شعر درج ہیں

پھاڑا ملائکہ نے مرا نامۂ عمل — جب ہو سکا حساب نہ جرم و گناہ کا

عشاق مر رہے ہیں لگاوٹ پہ آجکل — انداز کچھ نیا ہے تمہاری نگاہ کا

افشاں کو ان کی ہم نے کہا نجم فرقداں — قائل ہوا ہے ہم سے منجم نگاہ کا

کرلیں گے بحث داور محشر کے سامنے — دیکھیں تو کیا بیان وہاں ہو گواہ کا

دل پیشکش ہے نذر رہے یہ جان زار بھی — لکھدیں مگر حضور مچلکا نباہ کا

جب ہو گیا ہے دیدۂ گریاں سے سامنا — پانی ہوا ہے گھل کے دم ابر سیاہ کا

کیا شب کو کٹ گیا مہ کامل بھی دیکھکر — چمکا جو سر پہ ان کے ستارہ کلاہ کا

کیا چل رہی ہو تیغ لگاوٹ کی چال واہ — انداز اڑا لیا ہے تمہاری نگاہ کا

دل ہاتھ سے سمجھ کے حسینوں کو دیجئے — قصہ نہیں سنا ہے فرشتوں کی چاہ کا

بیعت مجھے بھی مشرب پیر مغاں میں ہو — ساقی ادھر بھی دور کرم کی نگاہ کا

کعبہ کنشت شیخ برہمن سے کام کیا — حافظ خدا ہے بندۂ بے دستگاہ کا

آخر پکار اٹھیں گے فرشتے بھی الاماں — قصہ کا گھر ہے شور مرے دل کی آہ کا

کچھ بھی حقیقتِ گور کا اے منعمو خیال — دو دن فقط بلند ہے گوشہ کلاہ کا

الفت سفر ہے دور کا منزل بھی ہے کڑی — تم کو خیال کچھ بھی نہیں زادِ راہ کا

دیگر (گلدستہ نجم)

اعجاز نما عشق بت مہر لقا ہو — داغ دل عاشق ید بیضا سے سوا ہو

شوریدہ سری میں سر گیسو کے رسا ہو — دیوانے کو لازم ہے کہ زنجیر بپا ہو

کب خندۂ گل گریۂ بلبل کی صدا ہو — کب دیکھئے گلشن میں یہ تاثیر ہوا ہو

نالہ جو کروں شور قیامت سے سوا ہو — عالم تہ و بالا ہو خدا جانے کہ کیا ہو

آباد یہ میکش رہیں ساقی کا بھلا ہو — پھر قلقل مینا کی بلند آج صدا ہو

پھر زخم مرے دل کا کہیں آج ہرا ہو
قاتل دم شمشیر دم باد صبا ہو

اے جان جو ہے وعدہ وصل آج وفا ہو
کس کو ہے خبر گل کی خدا جانے کہ کیا ہو

مدّت سے جواب خط جاناں نہیں آیا
کیا جانئے کچھ غیر کا نقشہ نہ جما ہو

کس کس کو مری طرح کیا عشق ہیں برباد
اس الفت کافر کا بھی البتہ بھلا ہو

کیوں صبح سے پھر آج بھی آشفتہ سری ہے
لائی نہ صبا کوچہ گیسو کی ہوا ہو

اتنا نہ ستم ڈھائیے انجام برا ہے
یوں جان کسی کی جو نکل جائے تو کیا ہو

جب ہم نہ سزاوار ہوئے لطف و کرم کے
پھر کس کو بھلا آپ سے امید وفا ہو

لازم نہیں یوں غیر سے تفریح کی باتیں
بڑھ جائے ہنسی میں جو کوئی بات تو کیا ہو

ہم وصل سے باز آئے جو ہے آپ کو انکار
بوسے کے جو اقرار بھی فرمائیے کیا ہو

بستر یہ مری جان بچھایا نہ کرو پھول
نازک ہو رگ گل کہیں چبھ جائے تو کیا ہو

کہتی تھی حدی خواں سے یہی نجد میں لیلیٰ
دیکھو بس ناقہ نہ کوئی آبلہ پا ہو

صیاد یہ کیا طرفہ ہے انصاف چمن میں
گل چیں کا ستم گل پہ ہو بلبل کی سزا ہو

انداز سے باہر ہیں قدم دیکھ کے چلئے
ٹھوکر سے مری جان قیامت نہ بپا ہو

اے شوق سمجھ کر رہ الفت میں اٹھے پاؤں
یہ راہ وہ ہے خضر کو بھی لغزش پا ہو

لا ڈھونڈ کے مضمون نئے غیب سے کوئی
پیدا تو نئی بات کوئی فکر رسا ہو

تھا خط کے سوا اور بھی پیغام زبانی
ڈر ہے کہ نہ کچھ حال رقیبوں نے سنا ہو

قاصد جو وہ مجھ زار کو پوچھے تو یہ کہنا
مہمان تھا دم بھر کا رہا ہو نہ رہا ہو

الفت جو وہ بت ہو گیا ہے غیر کا ہو تو
جانے دو اسے تم بھی کسی اور کو چاہو

دیگر

مشتاق گلگشت چمن ہے بلبل ناشاد پر
فصل گل ہے کھول دے بہر خدا صیاد پر

حسن آرائش نے آمادہ کیا بیداد پر
. . . .

ہچکیاں آتی ہیں پیہم آج کس کی یاد پر — گوش کس گل پیرہن کا ہے مری فریاد پر
مائل حسن پری رویاں ہوا تھا جب سے دل — تھا پریشانی کا شک مجموعۂ اضداد پر
ضعف میں اندیشۂ صیاد ہم رکھتے نہیں — آستاں اپنا ہے موج نکہت برباد پر
کیوں رہا کرتے ہیں قاتل زخم دل خنداں مدام — زعفرانی تاب ہے کیا خنجر فولاد پر
ہو بہو حسن صفا سے شکل جوہر ہو گیا — آئینہ کا ہے گماں اب قد آدم زاد پر
حشر کے دن کیا ہمارے خون کا محضر بنگیا — پڑ گئے دھبے جو خوں کے دامن جلاد پر
آج موج جنبش رفتار ناز یار سے — کیا لب جو چل گیا آرہ سر شمشاد پر
درد سر عشق لب شیریں میں کم تو نہیں — اب چڑھائیں چل کے تیشہ تربت فرہاد پر
بیکسی میں وائے غمخواری طفل سرشک — آنکھ کے رستے سے دوڑ آئے مری فریاد پر
بعد مدت کس تمنا سے بر آئی ہے مراد — ہے جنازہ اپنا دوش بانی بیداد پر
وحشت افزا آمد فصل بہاری پھر ہوئی — نالۂ دل کچھ اثر دکھلا دل صیاد پر
یہ تری خاطر ہے رنجش ہے طبیعت کے خلاف — خیر لے بیٹھے ہیں مئے ساقی کسی کی یاد پر
اپنی یکتائی کے قائل آج خود ہی ہو رہے — ہو گیا سکتے کا عالم حیرت بہزاد پر
یہ خدا کی شان ہے پایا بتوں نے بھی فروغ — ہو گئے عاشق فرشتے حسن آدم زاد پر
ہے دعا یہ اور محشر سے الفت کی مدام — حشر میں سایہ ہو رحمت کا مرے استاد پر

فارسی

امشب مئے گلرنگ مغاں بر سر جوش است — با نالۂ قلقل بط مئے کوس بگوش است
در کوچۂ الفت گذر افتاد صبا را — امروز نسیم سحری عطر فروش است
از آتش تر ساقی گلفام برافروز — ایں شعلۂ فریاد کہ بے کیف خموش است
افشان جبیں جلوہ زیر تو دگر افروز — مہر است کہ در شیشۂ پری بادہ پوش است

نہ نمود گراں جانیٔ من تا اثر آخر — خاکم بدم باد صبا بار بدوش است

از موسم گل مژدہ سر خار مغیلاں — خون رگ دیوانہ شوریدہ بجوش است

بے کیف مغاں شیشۂ خالی ست دماغم — زاں نالۂ من از نفس خود بخروش است

چوں بلبل شیراز غزل خوانیٔ الفت — اندر چمن ہند ز ہر نغمہ بگوش است

دیگر

ترک من شست از پے صید کبوتر بستہ — کافری نیست بہ آزار ہمیں بربستہ

جور زلف مشکبو اے شوخ بر سر بستہ — از خطا آہوست گفتن نافہ سر بستہ

تاج شبنم بر سر افشاں چیدہ لطفے میدہد — در تہ آب رواں اے شوخ اخگر بستہ

کیست ایں طفل پریزاد حسیں بالا دوش — طرفہ ایں پیوند با نخل صنوبر بستہ

تا کشیدی در قفس صیاد رحمے بایدت — حیف باشد چشم مرغان چمن بربستہ

شیرم صیاد از پرواز رنگ رخ بس است — ہمچو بوے گل ہوا خواہم اگر پر بستہ

الفت از موج سرشک خویش طوفاں خواستی — دامن از ابر تر بر دیدۂ تر بستہ

(۶۶) **بسمل** — منشی منولال متوطن عظیم آباد قوم کایستھ ماتھر۔ انجمن رحمتی کے تین گلدستوں (سنہ ۱۲۹۵ھ) میں ان کی غزلیں طبع ہوئی تھیں وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں سنہ ۱۲۹۸ھ کے بعد انتقال کیا۔

سنتے تو رہے سخن ہمیشہ — آیا نہ نظر دہن ہمیشہ

یوسف نہ ملا تو پیر کنعاں — سونگھا کئے پیرہن ہمیشہ

وہ چشم سیہ جو تھی نظر میں — دیکھے کالے ہرن ہمیشہ

بلبل کی دعا ہے دل یہی ہے — شاداب رہے چمن ہمیشہ

پروانہ صفت کسی کی لو میں — جلتا ہی رہا بدن ہمیشہ

بلبل جو کرے ثنا کسی کی — گلبرگ رہے دہن ہمیشہ

پروانوں کے داغ دل سے ہر شب　　روشن رہے انجمن ہمیشہ
مہتاب سے مہر سے زیادہ　　چمکا کیا وہ بدن ہمیشہ
ہاتھوں سے جنوں کے قبر میں بھی　　صد چاک رہا کفن ہمیشہ
بر آئے امید وصل کیونکر　　افلاک ہیں رخنہ زن ہمیشہ
اے چرخ یہ کیسی کج روی ہے　　اک جا نہ رہیں دو تن ہمیشہ
اس تیغ دو دم کی آرزو میں　　پہنے ہی رہے کفن ہمیشہ
حالت پہ ہماری بے خودی کی　　رہتے ہیں وہ خندہ زن ہمیشہ
سینہ میں حرارت تپ دل　　یارب رہے شعلہ زن ہمیشہ
دلچسپ ہے گو مقام غربت　　پر یاد رہا وطن ہمیشہ
کس ترچھی نگاہ کا ہوں بسمل　　بھایا کیا بانکپن ہمیشہ

دیگر

فرش سے تا بہ لامکاں دیکھا　　وہی آیا نظر جہاں دیکھا
بوئے گل کی طرح ہر اک شے میں　　کہیں ظاہر کہیں نہاں دیکھا
قصۂ شیخ و برہمن کچھ ہو　　اپنے دل کو ترا مکاں دیکھا
اس کی قدرت کا اور صنعت کا　　ہر و قد کو ترے نشاں دیکھا
ہر صنم کے جمال صورت میں　　اپنے معشوق کو نہاں دیکھا
اب تو بوڑھے ہوئے لڑکپن سے　　ان کو جب دیکھا نوجواں دیکھا
رہنے والو ریاض عالم کے　　تم میں سے کس نے باغباں دیکھا
ایک ہے تو ہی جلوہ گر ہے تمام　　خاک سے تا بہ آسماں دیکھا
چرخ کا دور تفرقہ پرداز　　اپنے اور ان کے درمیاں دیکھا
عرش تھرایا ایک نالے میں　　آسماں آہ کا دھواں دیکھا

فرش سے عرش تک گیا بسمل ‏— آہ کو تیری بے گماں دیکھا

کچھ بھی اثر دکھاؤں اگر اپنی آہ کا ‏— دل پانی ہو کے بہ چلے ابر سیاہ کا
پہونچا ہے شعلہ تا بفلک میری آہ کا ‏— پر جلتے ہیں فرشتوں کے غل ہے پناہ کا
اے دل نہ پڑ تو کاکل مشکیں کے پیچ میں ‏— کاٹا کوئی بچا نہیں مار سیاہ کا
کہہ دیجیو پیام زبانی یہ نامہ بر ‏— ہر سانس میں شرارہ نکلتا ہے آہ کا
دیکھا کبھی نہ بھر نظر اس خوف سے انہیں ‏— دھبا لگے نہ گورے بدن پر نگاہ کا
دنیا فریب دیتی ہے ہر ہر قدم پہ کیوں ‏— بھولا ہے چلنے والا کوئی سیدھی راہ کا
مقتل میں تیغ یار کی اس ناز سے چلی ‏— تھا ہر دہان زخم سے غل واہ واہ کا
لیل و نہار ساتھ عیاں ہیگا لطف ہے ‏— گیسو ہے گورے گال پہ لٹکا جو شاہ کا
اجائیے کہ جان کے جانے کا وقت ہے ‏— دم منتظر ہے آنکھوں میں بس اک نگاہ کا
دل آئینہ سے صاف زیادہ دکھاؤں گا ‏— سرکے تو آئینہ ترے پیش نگاہ کا
جلسہ مشاعرہ کا عجب جائے لطف ہے ‏— غل مچ رہا ہے ہر طرف اک واہ واہ کا
دھوکا اندھیری رات کا ہے روزگار کو ‏— پھیلا دھواں جہاں میں جو بسمل کی آہ کا

دیگر

وہ چال چلو جس سے بھلا ہو کہ برا ہو ‏— کچھ فرض یہی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو
جو عشق میں ثابت قدمی سے نہ ہلا ہو ‏— کیا معنی نہیں مرگ خدا سے نہ ملا ہو
دل آپ کا ہم پر کبھی آ جائے تو کیا ہو ‏— ہم ہوئیں فنا آپ کی صورت کو بقا ہو
اس قالب عنصر سے نکل جاؤں تو کیا ہو ‏— مٹی تو بنے آگ ہوا آب ہوا ہو
اس گردش دوراں سے نکل جاؤں تو کیا ہو ‏— نے ہم ہوں نہ تم ہو نہ زمیں ہو نہ سما ہو
بنیاد ابھی قطع کروں خواہش دل کی ‏— ناراض ہوں اپنے سے اگر اس کی رضا ہو
وصلت کا مزا ہجر کے صدموں سے ملا ہو ‏— معشوق کا عاشق کی زباں پر جو گلا ہو

افلاک کی آشفتہ سری سے ہے یہ پیدا
زلف ستم ایجاد کا سایہ نہ پڑا ہو

کھنچ جائے اگر زوروں پہ اپنی کشش عشق
معشوق کا عشاق پہ اصرار ہوا ہو

مہتاب حیا سے وہیں گر جائے زمیں میں
وہ مہر لقا آکے جو کوٹھے پہ کھڑا ہو

بے فائدہ اس فکر تردد کا بکھیڑا
ہوتا ہے وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہو

الجھاؤ میں دنیا کے پھنسا تھا دل بسمل
کیونکر کہوں اللہ سے واصل وہ ہوا ہو

(۶۷) مشہور۔ حکیم لچھمی پرشاد عظیم آبادی۔ طبابت کے پیشہ کے ساتھ شاعری کا مشغلہ بھی جاری رکھتے تھے اکثر مزاحیہ اشعار کہتے تھے۔ تاریخ شعرائے بہار میں بھی ان کا ذکر ہے اور رحمتی کے مشاعروں کے دو گلدستوں میں ان کا کلام پایا جاتا ہے۔ اشعار ذیل بطور نمونہ کلام درج کیے جاتے ہیں۔

مئے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں
مگر ہے بس... کے مینا میں بوتل میں کنٹر میں

نہ پایا مادہ اس کا حکیموں نے بہت دیکھا
کفایہ میں قرابادیں میں بحر الجواہر میں

کہو مشہور تم نے سیکڑوں پھیرے کیے کیوں ہیں
گلی میں راستے میں راہ میں بازار میں گھر میں

مشتاق ہو اگر تو ہو عاشق پناہ کا
امیدوار ہو تو اسی بارگاہ کا

اب عاشقوں سے کوچۂ جاناں تو بس گیا
احوال ہے خراب ہر اک خانقاہ کا

میرے کلام عشق مجرب ہیں نسخہ جات
لیوے لڈا گلہ ہو جسے ضعف باہ کا

کہنا گئے ہیں بھول سب اس جنگ گاہ میں
شیو شیو کا، گاڈ گاڈ کا اور لا الٰہ کا

اب دل میں بغض بیٹھ گیا ذکر اٹھ گیا
الفت کا دوستی کا محبت کا چاہ کا

دربار حسن میں ہے برابر مقدمہ
مفلس کا بینوا کا تونگر کا شاہ کا

مشہور ہو کہاں کہو اب کس کا ساتھ ہو
ہر وقت کا ہمیشہ کا شام و پگاہ کا

(۶۸) رونق ۔ لالہ نوناتھ سہائے ولد منشی کشن دیال صاحب ساکن بکری براواں ضلع گیا حضرت اکبر داناپوری کے شاگرد تھے ۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ لکھنو اور بریلی کے رسالوں میں آپ کا کلام اکثر شایع ہوتا تھا۔ خم خانہ جاوید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

خوش خرامی میں بھی صاحب کی توجہ چاہیئے
دیکھئے دل خاکساروں کے ہیں غلطاں زیر پا

وہ دل سے ایسا ہی سمجھیں تو لطف ہو ورنہ
لکھا جو عاشق شیدا خطاب کیا ہوگا

پاوں میں چھالے جگر عشق دل میں درد
میں فراق غم کا مبتلا ہو گیا

کس قدر پر درد ہو رونق زبان عندلیب
ہوش اڑ جاتے ہیں سن سن کر بیان عندلیب

بود و نابود انساں کے لئے مثل حباب
ہستی و نیستی ہے اپنی خبر کے مانند

(۶۹) رحمتی ۔ کنور سکھراج بہادر خلف کنور رہبیر لال ضمیر عظیم آبادی عظیم آباد کے مشاہیر شعرا میں تھے۔ ۱۲۹۵ھ ہجری میں انہوں نے بڑے دھوم دھام سے پانچ مشاعرے کئے تھے جس میں صوبہ بہار کے اکثر نامی شعرا شریک ہوئے تھے۔ چار مشاعروں کے گلدستے (مطبوعہ) راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔

اپنے جد بزرگوار راجا پیارے لال الفتی کا دیوان انہیں نے ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں طبع کرایا تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کا کلام بہت کافی مقدار میں پایا جاتا ہے بعض منتخب اشعار یہ ہیں۔

قطعہ بند

پھولا رہے یہ چمن ہمیشہ — لب پر رہے یہی سخن ہمیشہ
اللہ کرے رہے یہ سرسبز — حافظ رہے پنجتن ہمیشہ

مطلع

قایم رہے ضعف تن ہمیشہ — کوچہ ہو ترا وطن ہمیشہ

فارسی

دلا صبر و قرار من چہ کردی — زدستم اختیار من چہ کردی
بہ ہجرش گشتہ رشک چمن ہا — دل صد داغدار من چہ کردی
چہ کم بود است کوہ فرقت او — توا سے سنگ مزار من چہ کردی

پریشانی جو قسمت میں لکھی ہوئی اپنے مقدر میں — نہ ہوتی کس طرح سودائے گیسو کی جگہ سر میں
یہیں تک دوستی اہل زمانہ کی ہے جو کچھ ہے — کوئی صورت بھی پھر اپنی نہ پہچانیگا محشر میں
دکھا کر وہ گئے ہیں جب سے اپنی زلف شبگوں کو — اندھیرا سا نظر آتا ہے مجکو ہر طرف گھر میں
یہ گلدستہ ہمارا چھپ گیا ہے رحمتی اب تو — رہے گا یادگار اپنا پس مردن بھی ہر گھر میں

کیوں منہ تکوں نہ دیدۂ حیرت سے جاہ کا — آئینہ روئے یار بنا ہے نگاہ کا
جب آپ ہی کو پاس نہیں سم در اہ کا — کیا فایدہ جو ہو بھی ارادہ نباہ کا
سوز درد دل سے جل گئے ہے سر جو مری خاک — آنکھ ان بتوں کی مجکو ہے گوشہ پناہ کا
یوں بے حجاب بام پہ آیا نہ کیجئے — قابو میں دل رہے گا نہ اک اہل راہ کا
تکلیف دست و تیغ اٹھانے سے فایدہ — کافی ہے میرے قتل کو خنجر نگاہ کا
یوں جستجوئے یار میں ہے بیقرار دل — بھولا ہوا پھرے کوئی جس طرح راہ کا
بیگانہ بنکے پوچھتے ہیں حال رحمتی — تا جس میں ہو ارادہ نہ ظاہر نباہ کا

فارسی

دلم از دست ربودند و فغانم دادند — لذت جور و جفا ہا کہ ندانم دادند
چون منِ رحمتی آبلہ پا را پرسید — کوہ و صحرا کہ وطن بود نشانم دادند

اردو

جب سلسلہ جنباں یہ تری زلف رسا ہو — عاشق ترا کس طرح نہ زنجیر بپا ہو
اوروں سے تو آپ آنکھ لڑاتے ہیں ہمیشہ — میری بھی طرف اب نظر لطف ذرا ہو
وہ دختر رز کی نہ رہے تاک میں کیونکر — اس مست سے اے رحمتی دل جس کا لگا ہو

دیگر

شعلہ در آتش حسنش چو شراب است امروز — مرغ نظارہ بر دلش چو کباب است امروز
رحمتی نالہ زار تو قیامت بنمود — کز صد الیش جگر سنگ چو آب است امروز
نگہ از چشم مخمورش بہ ساں مستانہ می گردد — فرنگی زادۂ سرمست از میخانہ می گردد
ز شوق شعلہ رویاں رحمتی سوزد جگر امشب — جگر در سینہ و سینہ چو آتش خانہ می گردد

اردو

تری ان مست آنکھوں کا کوئی دیوانہ بنتا ہے — تو بعد از مرگ اس کی خاک کا پیمانہ بنتا ہے
تہوئے دستہ میں غیروں کا زیب لف محبوباں — ہماری ہڈیوں سے اسلئے اب شانہ بنتا ہے
خموشی لب پہ کھنا رحمتی سیکھو آج بہتر ہے — خموشی کی بدولت دل خدا کا خانہ بنتا ہے
دکھا کر وہ گئے ہیں جب سے اپنی زلف شبگوں کو — بلائیں آرہی ہیں مرے سر پر دیکھتے جاؤ
کسی کی مست آنکھوں پر مرا ہے رحمتی شاید — کہ بنتا خاک سے اس کی ہے ساغر دیکھتے جاؤ

(۷۰) حسرتی ۔ لالہ ستید ارشاد ابن لالہ مہراج سنگہ ساکن عظیم آباد وکیل عدالت دیوانی ۔ حسرتی محکمہ صدر اعلانی میں ڈگری نویس تھے ۔

بیشتر فارسی کہتے تھے اور ناظر وزیر علی عبرتی سے اصلاح لیتے تھے۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا ذکر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یارب بہ عرق آلودہ رخ یار من است ایں | یا قطرہ شبنم بگل یاسمن است ایں
اے حسرتی از حرف ہمہ سوز تو دلم سوخت | ہر کالہ آتش کہ زبان در دہن است ایں

(۷۱) حامد۔ منشی گھمنڈی لال باشندہ مونگیر شاگرد حافظ ضیغم۔ تاریخ شعرائے بہار میں ان کا یہ شعر ملا۔

نامۂ شوق رقم کرتا ہوں اسکو حامد | کیوں نہ دُود دل مشتاق کبوتر بنجائے

(۷۲) فرد۔ منشی پیارے لال عظیم آبادی۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ ان کی ایک غزل گلدستۂ عشرتی نمبر ۶۷۱۳ مملوکہ کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں نظر سے گزری یہ غزل انہوں نے "مشاعرہ ۲۳ ماہ شوال مطابق ۱۶ ماہ جولائی شب یکشنبہ مقام کمرہ باؤلی مکان نواب لطف علی خاں بہادر سی آئی ای میں پڑھی تھی۔ گلدستہ میں سنہ مذکور نہیں ہے صرف دن اور تاریخیں درج ہیں۔

دام میں اس کے نہ آئیگا جو دانا ہوگا | دل ہمارا نہ کبھی مائل دنیا ہوگا
لائق سیر نہیں ہے یہ طلسم ہستی | اسکو سمجھے گا وہی جو کوئی بینا ہوگا
حق شناسی نہیں حصہ میں ہر اک کے یارو | سو میں دو ایک کا آئینہ سا سینا ہوگا
لاکھ تکلیف نہ تکلیف ہو خالق کے سوا | کبھی بندہ تو نہیں طالب دنیا ہوگا
فخر کی ان سے نہو گی جو خدا والے ہیں | وہ برا سمجھے گا اپنے کو جو اچھا ہوگا
جو خدا کا ہوا سمجھو کہ خدا اس کا ہے | خلق میں پھر نہ وہ محتاج کسی کا ہوگا
زاہدا گلشن فردوس وہی ہے مجکو | کوچہ یار میں مرکر جو ٹھکانا ہوگا

بہر تسکین ترا مثل کہاں سے لاؤں ۔۔۔ نہ کوئی تھا نہ کوئی ہو نہ اب ایسا ہو گا

شعر گوئی کا رہا شوق تجھے گر ای فرد ۔۔۔ ہے یقیں خلق میں تو شاعر یکتا ہو گا

(۳۷) حیرت ۔ بابو جگیشر لال رئیس گیا۔ گیا لٹریری کلب کے خاص ممبروں میں سے تھے اور کلب کے مشاعروں میں اکثر شریک رہتے تھے۔ شمس العلماء سید امداد امام اثر سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے قریب انتقال کیا ان کی غزل جو مشاعرہ واقع سنہ ۱۸۹۰ء کے گلدستہ میں شایع ہوئی بطور نمونہ کلام درج کی جاتی ہے۔ یہ گلدستہ نمبر ۶۶۶۴ مملوکہ کتب خانہ مشرقی پٹنہ میں موجود ہے۔

یارب کہیں وہ تن سے مرا سر جدا کرے ۔۔۔ کب تک یہ بار دوش پہ میرے رہا کرے

چاہے جفا کرے وہ حسین یا وفا کرے ۔۔۔ اب تو دیا دل اسکو جو چاہے خدا کرے

کب تک کوئی فراق کے صدمے سہا کرے ۔۔۔ گھبرا کے مر نہ جائے جو انساں تو کیا کرے

موجود ہیں ہدف کو دل و دیدہ و جگر ۔۔۔ تیر نگاہِ یار جہاں چاہے جا کرے

وہ شمع رو بھی بزم میں ہے اور شمع بھی ۔۔۔ پروانہ دیکھیں جان کو کس پر فدا کرے

ہر سبزہ کی زبان سے ہے حمد کبریا ۔۔۔ غافل چمن میں گوش نصیحت جو وا کرے

آب بقا ہوا نہ سکندر کو دستیاب ۔۔۔ تقدیر ہی رسا نہیں تدبیر کیا کرے

رخصت گلوں سے ہوتے کہ جاتی ہے فصل گل ۔۔۔ صیادِ بے وفا جو قفس سے رہا کرے

اس تن لینے چاہنے والے کی قدر ہو ۔۔۔ تم کو بھی جب کسی کا خدا مبتلا کرے

بندہ کو عذر کیا ہے جو مالک کی ہو رضا ۔۔۔ راضی ہیں ہم اسی میں جو چاہے خدا کرے

برگشتگی بخت کے شکوے کہاں تلک ۔۔۔ تقدیر ہے بگاڑ پہ تدبیر کیا کرے

حیرت خدا گواہ ہے اب بھی جو لب تک آئے ۔۔۔ جو ظلم چاہے وہ بت ناآشنا کرے

(۷۴) ہندو - منشی بھولا ناتھ ساکن گیا تلمیذ سلیمان خاں جادو ساکن کوالتھ ضلع آرہ ۔ سن ولادت معلوم نہیں سنہ ۱۹۰۲ء میں انتقال کیا ان کی غزل گیا لٹرری کلب کے گلدستہ ۱۲ سنہ ۱۸۹۸ء میں شایع ہوئی تھی وہ نقل کی جاتی ہے یہ گلدستہ نمبر ۱۶۶۶ خدا بخش لائبریری پٹنہ کی ملک ہے۔

باہر نقاب سے کہیں وہ رخ ذرا کرے
خورشید زرد رو ہو اگر سامنا کرے

سو بار آبِ گنگ سے منہ دھو لیا کرے
تب بحرِ حسن کا تیرے وہ بت ثنا کرے

تعریف تیرے دنداں کی اے گل کیا کرے
سوسن صفت جو پیدا زباں مو تیا کرے

گر حال پر مرے تو کرم سا قیا کرے
خم بھی لگا دے منہ سے نہ اف بھی ذرا کرے

بیٹھے ہیں اس کوچہ میں اب جو خدا کرے
جور و ستم کرے وہ صنم یا وفا کرے

کھینچا تھا جو کبھی ترا نقشہ اے سیم تن
پیدا تو ایسا دو سرا دستِ خدا کرے

پیغام وصل سُن کے یہ کہنے لگا وہ شوخ
لے فصد وہ ابھی ذرا اپنی دوا کرے

ہر گام پر جو گھنگرو بجا دگے اے صنم
کیونکر ہر اک نہ قبر سے مردہ جیا کرے

اس بت کا دیکھنے کہیں پائے جمال تو
زاہد خدا کو چھوڑ دے مالا جپا کرے

اے شمع رو تو آ مری حالت زبون ہے
بتی کی طرح دل مرا کب تک جلا کرے

صورت ہے بدلی ابر کی گھنگور ہی گھٹا
ساقی تمام شب ترا ساغر چلا کرے

بے عشق وہ صنم نہیں ملنے کا زاہدا
سو بار سجدوں میں اگر تو جھکا کرے

تارے کرئیں میں یہ وہیں ٹوٹ ٹوٹ کر
ہنسنے میں منہ کو تو کہیں دنداں نما کرے

ہر طرح کا کمال ترے بانکپن میں ہے
چاہے تو ایک پل میں قیامت بپا کرے

ہندو جناب حضرت جادو کے فیض سے
یہ رنگ شاعری ترا یوں ہی جما کرے

(۷۵) مست ۔ بابو نند کشور لال بی اے ال ال بی رئیس گیا۔

خلف منشی جواہر لال لیجلیٹو کانسل کے ممبر بھی تھے فارسی اور انگریزی میں فارغ التحصیل تھے اردو شاعری میں حضرت اکبر علیہ الرحمت دانا پوری سے تلمذ تھا اشعار اچھے کہتے تھے پچپن سال کی عمر میں ۱۹۰۵ء کے بعد انتقال کیا۔ خواجہ عشرت لکھنوی نے تذکرہ ہندو شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لٹریری کلب گیا کے اراکین میں تھے اور سیاسی اور ادبی تحریکوں سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ کلب کے مشاعرہ ۱۸۹۸ء کے گلدستہ (نمبر ۶۶۶۲ کتب خانہ مشرقی، پٹنہ) میں ان کی یہ غزل شائع ہوئی تھی۔

پھر جو صلۂ دعا کو ہوا ہی وفا کرے
ظالم جفا سے باز نہ آئے خدا کرے

مضنوں صد نگاہ تمنا ہے دل مرا
اس کو کہاں تلک کوئی صرف وفا کرے

صد گونہ حد حصر سے افزوں ہے شوق دل
کیا عمر خضر کو کوئی صرف دعا کرے

پھر دیدہ و جگر میں ہے باہم یہ چشمکیں
تیر نگاہ یار کہاں دیکھیں کیا کرے

پھر تیغ ناز ڈھونڈتی ہے سینہ و جگر
تیر نگہ کو دھن ہے کہ پھر دل میں جا کرے

پھر جیب کے ہوس ہے کہ ہو یوں وہ تار تار
مضنوں بخیہ گر نہ طبیعت ہوا کرے

پھر گرم آہ شعلہ نشاں ہے دل حزیں
پھر گریہ چاہتا ہے کہ طوفاں بپا کرے

ان روزوں جوش پر ہے پھر اشک ورواں کی سیل
پھر ہے جنوں کا حکم کہ محشر بپا کرے

پھر عشق چاہتا ہے ترے آستانہ پر
با منت و نیاز مجھے جبہ سا کرے

میرے غبار کو ہے خیال عروج پھر
نازیبا ر منت دوش صبا کرے

پھر امتحان جذبہ دل کو چلی ہے یاس
نامہرباں ہو وہ بت کافر خدا کرے

پھر میرے سر پہ کھیل رہی ہو اجل مری
شمشیر ناز تن سے مرا سر جدا کرے

کیا پھر ہے مئے کشتی کا تہیا جناب مست
زاہد سے کہہ دا بر کی اسدم دعا کرے

مست کا ایک "قطعہ تاریخ مراجعت از ملک انگلستان سید ہادی حسن بیرسٹر ایٹ لا کہ بتاریخ دہم جنوری ۱۸۹۹ء در ایونگ پارٹی بطور ایڈرس خوانده شد" بہت مقبول ہوا تھا اور اس کو خان بہادر مولوی سید خیرات احمد صاحب رئیس گیا نے اپنی تصنیف خمسہ کاملہ میں شایع کیا تھا اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

ساقی گلفام دے جام شراب ارغواں
ہے سرور افزائے دلہا حاصل بزم سخن

رقص میں طاوس گلشن نغمہ زن مرغان باغ
ابر رحمت شامیانہ ناچ گھر صحن چمن

قطرۂ شبنم ہیں یوں اوراق گل پر جا بجا
خاتم لعلیں میں ہو جیسے جڑے دُر عدن

لوٹتی پھرتی ہے بادہ صبح فرش سبزہ پر
جامے سے باہر ہوئے جاتے ہیں نسرین و سمن

چرخ پر کتنا مسرت خیز ہے رنگ شفق
پیر گردوں نے بھی بدلا آج اپنا پیرہن

کیوں نہ ہو یہ روز ہے کیسا سعادت انتما
لو لگا جس میں تھے مدت سے یاران وطن

سید ہادی حسن از فضل رب لم یزل
کونسلی ہو کر ہوئے اب رونق افروز وطن

مولوی خیرات احمد ہو مبارک آپ کو
یہ پسر با جاہ و حشمت اے محب بوالحسن

واہ خالق نے دیا کیا آپ کو نور نظر
خوش کلام و خوش بیاں شیریں زباں شیریں سخن

زیرک و دانش پناہ و خوش سیر ہر دل عزیز
نوجواں ہمت میں و راندیشی میں پیر کہن

نیک اندیشہ محبت پیشہ پاکیزہ خیال
نام بردار پدر نامور آور ہ سر انجمن

باپ پیارا قوم کا بیٹا ہے پیار ملک کا
پاک دونوں کی طبیعت نیک دونوں کا چلن

یاد تھی سب کے دلوں میں آپ کی مسکن پذیر / دور تھے ظاہر میں ہم سے آپ اے ہادی حسن
ہو زیادہ عمر و دولت جاہ و اقبال و حشم / سب مرادیں آپ کی بر لائے رب ذوالمنن
آپ کی تقریر میں ہو برک و رشرون کا زور / آپکی تحریر میں ہو لطف مثل ایڈلیسن
بار سے کر کے ترقی آپ جائیں جج پر / چیف جسٹس کی عبا ہو آپ کے زیب بدن
ہو مطیع حکم یہ گردون گرداں آپ کا / آپ کے جا جا علی ہوں آپ کے ہادی حسن
آپ کے آنے کا کیا اچھا مناسب حال ہے / آب رفتہ باز اندر جوئے آمد در چمن
جانم الفت آپ کا یہ کر دعا کرتا ہے مست / بزم میں ہر اک کہے آمیں رب ذوالمنن

اشعار متفرقات

فرقت میں اک تجھی سے بہلتا ہے جی مرا / دل سے تو اے تصور جاناں جدا نہ ہو
اٹھا بخار دل سے تو آنسو ٹپک پڑے / سچ ہے کہ مینہ نہ برسے گا جبتک گھٹا نہ ہو

(۷۶) **جابر۔** بابو جگل کشور بی اے بی۔ ال۔ وکیل عدالت خلف منشی مادھو چرن، قوم کایستھ ساکن محلہ رمنہ شہر گیا شاعری میں حشر بلیتھوی سے اصلاح لیتے تھے ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا نمونہ کلام یہ ہے۔

لڑا دینا آپس میں ہے کار دنیا / جو سر ہے کسی کا تو پتھر کسی کا

(۷۷) **صید۔** لالہ برہمدیو سہائے ساکن نجابت پور۔ سب ڈویژن جہاناباد ضلع گیا پیدائش ولادت ۱۸۸۳ء گیا میں عدالت کے مختار تھے۔ شاعری کے علاوہ موسیقی، مصوری اور باغبانی کا شوق تھا۔ خواجہ عشرت لکھنوی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ رسالہ "تاج" گیا میں ان کا کلام شایع ہوا کرتا تھا اور انکی تصویر بھی شایع ہوئی تھی کچھ دن ستم گیاوی اور تخلش گیاوی سے بھی مشورہ سخن کیا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

لیلی یہ دل ہے صدقہ محمل ڈھونڈتے ہیں / گم گشتہ کاروان ہیں منزل کو ڈھونڈتے ہیں

ان کی نگاہ دلکش پہلو سے لے گئی ہے — کیوں حاضرین جلسہ اب دل کو ڈھونڈتے ہیں

دونوں طرف ہے یکساں یوں جذبہ محبت — قاتل ہمیں تو ہم بھی قاتل کو ڈھونڈتے ہیں

صنعت پذیر کب ہیں شیوہ کرم ہے جن کا — گھر سے سخی نکل کر سائل کو ڈھونڈتے ہیں

شوقِ شہادت ایسا دل میں سما گیا ہے — مقتل کو ڈھونڈتے ہیں قاتل کو ڈھونڈتے ہیں

کیا کوئی ظلم تازہ آیا ہے یاد ان کو — مقتل میں آکے اپنے بسمل کو ڈھونڈتے ہیں

نفرت مجاز سے ہے صادق ہے عشق ہم کو — خارج کو چھوڑتے ہیں داخل کو ڈھونڈتے ہیں

مدنظر ہے جلنا ہم شکل شمع ہم کو — جو اف کرے نہ منہ سے اس دل کو ڈھونڈتے ہیں

اے صید گم ہوا تو اچھا ہوا اگر ہم — جس نے لیا ہے وہ دل اس دل کو ڈھونڈتے ہیں

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اسی انتظار میں — آئیں گے حور بن کے فرشتے مزار میں

جلوہ انگن ہے وہی دونوں جگہ اے ناصح — مرتبہ کم نہیں کعبہ سے ہے بت خانے کا

سزا کس کو ملی تھا جرم کس کا — لڑی ان سے نظر دل پر لگی چوٹ

مل جل کے رہیں جو ہر و شمشیر کی صورت — سیماب ہے دل میرا آئینہ اگر آپ

(۷۸) **عارف**۔ شیو نرائن چودھری خلف بابو لالہ چودھری ساکن محلہ حاجی گنج عظیم آباد سنہ ولادت ۱۸۶۱ء اردو سے خاص شغف رکھتے تھے اور تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔ چند سال ہوئے انتقال کیا۔ شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے ان کا کلام بہت پاکیزہ ہوتا تھا نمونہ یہ ہے۔

ازل سے لائے جو مستی تھے اسکی خو نہ گئی — جو تھی خمیر کے اندر وہ رنگ و بو نہ گئی

بہ طنز کہتی ہے پھولوں سے کھل کھلا کے کلی — تمہارا رنگ نہ بدلا ہماری خو نہ گئی

تو خال و خط کے محاسن کو چھو کے اصل کو دیکھ — مکیں کی زینت و رونق مکاں کو چھو نہ گئی

حریم دل میں تری یاد بے وضو نہ گئی | ہیں رو کے اشکوں سے خود اپنے ہو لیا طاہر
کہ سوکھ جانے پہ بھی طاقتِ نمو نہ گئی | وہ نخلِ تازہ و تر تھا خیال اے عارف

(۷۹) عاشق۔ بابو جگرناتھ پرشاد عرف بتّو خلف منشی رادھاکشن قوم کھتری ہرنی ساکن محلہ چھوٹی پٹن دیبی۔ پٹنہ۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے تھے اردو کے علاوہ تھوڑی فارسی بھی جانتے تھے۔ خلیق اور منکسر مزاج تھے۔ ۲۲ سال کی عمر میں شاد عظیم آبادی کے شاگرد ہوئے سنہ ۱۸۹۴ء میں بعارضہ سل انتقال کیا۔ ایک دیوان موسوم بہ کارنامۂ عاشق سنہ ۱۸۹۵ء میں طبع ہوا تھا۔ ان کا کلام بہت پسندیدہ ہوتا تھا۔ نمونہ یہ ہے۔

بتوں کو سجدہ کیا جانکر خدا اپنا | رہا نہ ہوش ترے عشق میں بجا اپنا
قدرداں خوب ملے ہیں یہ خداداد تجھے | کوئی کہتا ہے مسلماں کوئی آزاد مجھے
تم رام یا رحیم کہو بات ایک ہے | ہے فرق صرف نام کا پر ذات ایک ہے

(۸۰) آزاد۔ بابو بھوانی پرشاد ساکن محلہ کالی استھان پٹنہ رائے اسری پرشاد عطا کے حقیقی بھتیجے تھے سنہ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ شاد عظیم آبادی سے اصلاح سخن لیتے تھے ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا سنہ ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا نمونہ کلام یہ ہے۔

کوئی سحر تو کوئی شام کو روانہ ہوا | نہ اس سرا کا کبھی بند کارخانہ ہوا
کچھ ایسی بات نہ تھی جس کا اک فسانہ ہوا | ترا جمال دکھانا ہمارا مرجانا
گھر اپنا آپ گرے حق میں قید خانہ ہوا | تعلقات نے پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں
امید وصل سے پہلے ہی دم روانہ ہوا | ہزار شکر نہ حسرت کا ہم نے منہ دیکھا
وطن سے آئے ہوئے ہم کو اک زمانہ ہوا | سنا رہی ہے یہی روح گھٹ کے اے آزاد

ولہ

جو تیرے ظلم و ستم کا وفور ہو جاتا
قصور وار ترا بے قصور ہو جاتا

نہ کرتی موج حوادث اگر دراندازی
تو بحر غم سے ہمارا عبور ہو جاتا

ناراض مجھ سے کیوں بت مغرور ہو گیا
تجھ سے گناہ کیا دل رنجور ہو گیا

آزاد شکر ہے کہ بھلے دن اب آ گئے
بد قسمتی کا داغ جو تھا دور ہو گیا

(۸۱) شاد۔ بابو بدری ناتھ خلف منشی ہربنس رائے ساکن چنڈی پور ضلع گیا۔ حضرت بسمل گیاوی کے شاگرد تھے پھر حشر بنیقوی اور خلش گیاوی کو اپنا کلام دکھایا۔ ان کا ایک شعر سنا گیا تھا وہ یہ ہے۔

جوش وحشت میں سراچاک گریباں دیکھ کر
نوک کی لیتا ہے سر خار مغیلاں دیکھ کر

متاخرین ہندو شعرا

(۸۲) عطا۔ رائے الیسری پرشاد رئیس عظیم آباد۔ محلہ کالی استھان۔ خلف رائے لچھمی پرشاد۔ اردو زبان اور شاعری سے خاص شغف رکھتے تھے۔ الوالعزم اور علم دوست تھے۔ ایک رسالہ علم عروض میں ان کی تصنیف سے یادگار ہے آخر عمر میں درویشانہ وضع اختیار کی تھی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۲۵ء کو تقریباً ستر سال کی عمر پاکر انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ذکر میری دفا کا سن کے کہا — کیسی بے مثل یہ کہانی ہے

سنہ ۱۹۲۶ء کے مشاعرہ واقع محلہ لودی کٹرہ بمکان شاہ اقبال صاحب مرحوم انھوں نے مندرجہ ذیل غزلیں پڑھی تھیں جو رسالہ تاج ماہ دسمبر میں بھی شایع ہوئی تھیں۔

آنکھ کے پردے کے باعث ہے یہ غفلت میری — دیکھنے دیتی نہیں مجکو حقیقت میری

آنکھ کے پردوں نے مخلوق بنا رکھا ہے — دیکھنے دیتی نہیں مجکو یہ صورت میری

جز عنم اور دکھائی نہ مجھے دیتا ہے — پھر کشمکش سے ہوئی جب سے کہ بیعت میری

چین سے سو یا پڑا ہوں نہ اٹھاؤ مجکو — دیکھو دیکھو کہیں ٹھکراؤ نہ تربت میری

اب کو ترسے ذرا آنکھ تو دھولے زاہد — تب نظر آے گی جو کچھ کہ ہے حرمت میری

زر کی خواہش نہیں لقمۂ نہ خلایق کی ہے — رند ہوں صبر و قناعت ہی ہے دولت میری

میں کسی تیسرے کو بھی اپنے سے علحدہ سمجھوں — یہ روا رکھتی ہی ہرگز نہیں نیت میری
کوئی گر نیچی نگاہوں سے جو دیکھے دیکھے — یار کی آنکھوں میں لاریب ہے وقعت میری
کس مپرسی کے زمانہ میں خدا یاد آیا — آخر عشق کا مرے آئی یہ غربت میری
سجدہ کرنے ہی نے گمراہ کیا تھا مجکو — آگئی اب تو سمجھ میں مری غفلت میری
میں عطار نہ ہوں اور طرز سخن ہی یکتا — ل نہیں سکتی کسی سے کبھی رنگت میری

لگا کے سرمہ کہ جادو جگا کے بیٹھے ہیں — عجیب رنگ دلوں پر جما کے بیٹھے ہیں
سنے گا کون کہانی مری یہاں صاحب — غضب ہے عرش پر آپ یہ جا کے بیٹھے ہیں
انہوں نے سیکھا ہے آنکھوں کی اوٹ ہو رہنا — تو ہم بھی آنکھوں کے پردے اٹھا کے بیٹھے ہیں
نہ سمجھے نا کوئی میری وفا نے کھینچا ہے — چراغ قبر کا میری بجھا کے بیٹھے ہیں
انہوں نے مجکو کہیں کا بھی اب نہیں رکھا — کہ تجھ سے حشر میں دامن چھڑا کے بیٹھے ہیں
کوئی زمانہ تھا صحرا نوردی کرتے تھے — مزے وصال کے اب چکھ چکھا کے بیٹھے ہیں
کہیں نہ آپ کے دیدار سے تڑپ جاے — اسی سے پہلو میں دل کو دبا کے بیٹھے ہیں
یہ خوب حیلہ ملا ہے انہیں نہ آنے کا — جو آج پاؤں میں مہندی لگا کے بیٹھے ہیں
نہ اب خدا ہی سے مطلب نہ کچھ بتوں سے ہے — کہ خاک اپنے صنم پر رما کے بیٹھے ہیں
نہ پاے کوئی کسی ڈھب سے نا نشاں ان کا — جو نقش پا بھی کہیں تھا مٹا کے بیٹھے ہیں
کیا جو کرنا تھا ہونا جو تھا ہوا سب کچھ — اب انتظار میں ہم تو قضا کے بیٹھے ہیں
صبا تو لائیگی نکہت کہیں سے اس گل کی — عطا اسی سے تو رخ پر ہوا کے بیٹھے ہیں

ان کا ذخیم دیوان ان کے لڑکوں درائے میلکوم جیمس سنہا اور راے اڈون ہورلیس سنہا) کے پاس موجود تھا غالباً اب تک محفوظ ہے۔

(۸۳) مائل۔ بابو بھولا ناتھ منصف مدہ پور ضلع گیا انگلیو اردو شاعر

کے دلدادہ تھے۔ ہجوم کارسرکاری کے باوجود مشق سخن بھی جاری رکھتے تھے اور اکثر مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے ان کی غزلیں بعض گلدستوں میں بھی شایع ہوا کرتی تھیں سنہ ۱۹۲۰ء میں انتقال کیا ان کا کچھ کلام رسالہ تاج گیا سنہ ۱۹۲۰ء میں شایع ہوا تھا وہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

دل کو تباہ کیجیے پر دیکھ بھال کے
یہ ٹوٹا پھوٹا گھر حرم کردگار ہے

فغاں کے ساتھ لب تک دمبدم آنے سے کیا حاصل
دل مضطر کو سمجھا دو کہ گھبرانے سے کیا حاصل

جو پیشانی کا لکھا ہے وہ پیش آنا ضروری ہے
تو پھر تقدیر کی باتوں پہ غم کھانے سے کیا حاصل

نصیحت ہم سے دیوانے کہیں سنکر سنبھلتے ہیں
کوئی ناصح کو سمجھا دے کہ سمجھانے سے کیا حاصل

جو مرنا ہے تو ہم بھی مرمٹیں گے کوئے جاناں میں
کسی جنگل میں جاکے سر کو ٹکرانے سے کیا حاصل

ہماری جاں نثاری بھی کسی دن آزما دیکھو
یہ قصے لیلی و مجنوں کے پڑھوانے سے کیا حاصل

نگاہ مست ساقی سے ہے بزم مئے کی کیفیت
ہمیں پھر ساغر و مینا و میخانے سے کیا حاصل

تاج ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

غم سے مرا کب حال پریشاں نہیں دیکھا
کب اس دل صد چاک کو گریاں نہیں دیکھا

شکوہ مرے رونے کا عبث کرتے ہو یارو
کب زخم جگر کو مرے خنداں نہیں دیکھا

اترا کے نہ چل کبک دری باغ میں اتنا
تو نے ابھی اس گل کو خراماں نہیں دیکھا

دیکھا تو حرم میں بھی پرستش ہے اسی کی
اس بت سا کوئی دشمن ایماں نہیں دیکھا

اے شمع شب افروز ترے حسن کا جلوہ
کس رنگ میں کس روپ میں پنہاں نہیں دیکھا

کھو بیٹھا ہے دل جو کہ تھا گنجینۂ اسرار
مائل سا کبھی ہشیار نگہباں نہیں دیکھا

اپریل سنہ ۱۹۲۰ء مشاعرہ مدہ پورہ ضلع بھاگلپور

داغ تپ فراق سے دل لالہ زار ہے
جو آہ منہ سے نکلی وہی شعلہ بار ہے

کیا پوچھتے ہو حسرتیں میری کہاں گئیں
سب مر مٹی ہیں دل ہی میں سب کا مزار ہے

دست جنوں سے چاک گریباں ہوا تو کیا
تار نفس بھی اب تو مرا تار تار ہے

باتیں تری سمجھتے ہیں ناصح یہ کیا کریں
قابو میں اپنے کب دل بے اختیار ہے

کس بات پر ہے پیکر خاکی تجھے گھمنڈ
دو دن کی زندگی بھی تو ناپائدار ہے

پھر گل نیا کھلائے گا موسم بہار کا
پہلو میں بے سبب نہیں دل بے قرار ہے

تلوؤں کو کیوں نہ خار مغیلاں کی ہو ہوس
سودائی وہ جنوں کے سر پر سوار ہے

دل کو تباہ کیجئے پر دیکھ بھال کے
یہ ٹوٹا پھوٹا گھر حرم کردگار ہے

مائل ترے کلام کا شائق ہے ہر کوئی
کچھ اور گل کھلائے یہ زمیں پر بہار ہے

غزل مطبوعہ تاج جون سنہ ۱۹۲۰ء

یا شرح سوز دل ہے یا درد کا بیاں ہے
جو شعر ہے ہمارا اک غم کی داستاں ہے

پھنکتا ہوں سوز غم سے سینہ میں دل تپاں ہے
پھر عشق زخم دل پر میرے نمک فشاں ہے

ہو سانس یعنی مشکل دل اس قدر تپاں ہے
اس نیم قطرہ خوں میں کیا زور الاماں ہے

بے شبہ ہے سبب کے دل میں تیری جگہ ہے کافر
تو کیا پھر اک ہم سے برگشتہ اک جہاں ہے

سوز دروں سے دل میں اک آگ سی لگی ہے
آہوں کے بدلے لب پر ہر وقت اک دھواں ہے

لو۔ کہہ چکے بہت کچھ بس اب زباں سنبھالو　　منہ میں مرے بھی آخر اے جانجاں زباں ہے

وعدوں پہ تیرے اے بت امید مغفرت ہو　　یہاں شگن نہ ہونا اللہ درمیاں ہے

مائل نے ۱۹۲۲ء میں مدھ پورہ ضلع بھاگلپور میں چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ ان کے کلام کا کافی ذخیرہ موجود تھا معلوم نہیں اب تک محفوظ ہے یا نہیں۔

(۸۴) صہبا۔ رائے کنور بھائی رئیس گیا شاگرد حضرت اکبر داناپوری نمونہ کلام یہ ہے۔

سجدے ہم کرتے ہیں وہ یاد دلائے رکھتے ہیں　　جب تو دعوائے خدائی یہ بتاں رکھتے ہیں

(۸۵) فرہاد۔ منشی بدری نرائن ولد منشی درگا پرشاد قوم کایستھ ساکن ندرہ ضلع گیا۔ کلکٹری میں نقل نویس تھے اور موضع ندرہ کی انجمن چشمۂ سخن کے سکریٹری تھے۔ مشتاق شاعر تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

ناز سے دیکھا تو آخر اک نظر میری طرف　　دل جو تم نے لیا اس کا گلا جاتا رہا

(۸۶) کشش۔ بابو گوبند پرشاد خلف بابو گنگا پرشاد ساکن موضع ندرہ ضلع گیا، تلمیذ حافظ عبدالاحد ساکن شیر گھاٹی۔ زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا ان کا ایک شعر یہ ہے۔

اپنی تو سجدہ گہہ ہے درمئے فروش پر　　دیر و حرم سے کام نہ کچھ خانقاہ سے

(۸۷) امیر۔ بابو گوبردھن پرشاد۔ اضلاع بہار کے کسی دیہات کے رہنے والے تھے محکمہ پولس میں انسپکٹر تھے ۱۹۰۳ء میں انھوں نے سیول ضلع بھاگلپور سے اپنی غزلیں گلدستہ بہار بے خزاں کے لئے بریلی بھیجی تھیں جو مختلف گلدستوں میں شائع ہوئی تھیں وہ اس جگہ درج کی جاتی ہیں۔

بہار بے خزاں بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۳ء

مجھ سے ہر آدمی کو نفرت ہے — یہ ترے عشق کی بدولت ہے
غیر بھی کرتے ہیں گلا تیرا — کچھ مجھی کو نہیں شکایت ہے
مردے اٹھنے لگے مزاروں سے — ان کا آنا بھی اک قیامت ہے
واعظو جاؤ اپنا کام کرو — کوئے جاناں ہماری جنت ہے
کیا تردد ہو اپنے مدفن کا — کوچہ یار تو سلامت ہے
بوسہ مانگا تو منہ بنا کے کہا — ایسی باتوں سے مجکو نفرت ہے
توبہ مے سے بہار میں واعظ — یہ بھی اک آپ کی حماقت ہے
اپنے دل کا مجھے گلا ہے امیر — کچھ نہیں غیر کی شکایت ہے

بہار بے خزاں مئی سنہ ۱۹۰۳ء

جانستاں ایسے قاتل کی ادا ہوتی ہے — اسی تلوار کے قبضہ میں قضا ہوتی ہے
ہم کو دنیا میں نہ آرام ملا سنتے تھے — جائے آرام مسافر کو سرا ہوتی ہے
الفت غیر کا الزام میں دیتا ہوں انہیں — بس اسی بات پہ جھگڑے کی بنا ہوتی ہے
دیکھا عاشق کا جنازہ تو ستمگر نے کہا — وہی ہوتا ہے جو مرضئ خدا ہوتی ہے
اس کو شمشیر بکف دیکھ کے مقتل میں امیر — روح دہشت سے رقیبوں کی فنا ہوتی ہے

بہار بے خزاں اگست سنہ ۱۹۰۳ء

عشق مجکو جانب چاہ زنخداں لے چلا — خضر اسکندر کو سوئے آب حیواں لے چلا
جو چلا محفل سے تیری سینہ سوزاں لے چلا — دل تپاں خاطر پریشاں چشم گریاں لے چلا
دل بغل سے جلوہ رخسار جاناں لے چلا — ذرہ ناچیز کو مہر درخشاں لے چلا
حسن کے مکتب میں سنتا ہوں کہ ہوگا درس عشق — میں سبق کو پانچواں باب گلستاں لے چلا

رونا آتا ہے ترے عاشق کی قسمت پر مجھے | جوشِ حسرت لیکر آیا داغ ہجراں لے چلا
منزلِ ملکِ عدم کی راہ تھی تاریک میں | شمعِ عشقِ عارضِ پرنورِ جاناں لے چلا
مستی وحشت میں دوڑا پیچھے پیچھے قیس بھی | ساربان جب ناقۂ لیلیٰ حدی خواں لے چلا
پیچھے پیچھے ہو لئے قاصد کو سمجھاتے امیر | نامۂ پر شوق جب وہ سوئے جاناں لے چلا

ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء

شوقِ دل ان کو سنایا جب تو جھنجھلا کر کہا | ہم کہے دیتے ہیں ایسی دل لگی اچھی نہیں
اے خدا کب تک ملے گی راحتِ روزِ وصال | یہ شبِ فرقت مصیبت کی گھڑی اچھی نہیں
آنکھ کھولو، کچھ کہو اپنی، ہماری کچھ سنو | حضرتِ دل یہ تمہاری بیخودی اچھی نہیں
پھر نہ عالم میں نمایاں ہو کہیں طوفانِ نوح | دیدۂ گریاں یہ ساون کی جھڑی اچھی نہیں
وقتِ گریہ گدگدائے کوئی کیوں مجکو امیر | رونے والوں سے کسی کی یہ ہنسی اچھی نہیں

تذکرہ ہندو شعرا مولفہ خواجہ عشرت لکھنوی (مطبوعہ سنہ ۱۹۳۱ء) میں ان کا ذکر اور ایک شعر پایا گیا وہ یہ ہے۔

جذبہ دل کی ہیں تاثیر دکھاتا تم کو | مرے قابو میں مری جان اگر دل ہوتا

(۸۸) جوت۔ منشی جدو بیر سہائے خلف منشی بنواری لال صوفی ساکن مانک پور متصل گیا شاگرد حشر بیتھوی دکو ترخیرآبادی سنہ ۱۹۰۰ء میں سرکاری وکیل عدالت گیا کے محرر تھے سنہ ۱۹۱۲ء میں تخمیناً پچپن برس کی عمر میں انتقال کیا ان کی غزلیں گلدستہ چمنستان سخن اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء زیر ادارت احمد حسین جوش عظیم آبادی ٹالی گنج کلکتہ اور گلدستہ نسیم سحر زیر ادارت شفق عمادپوری مطبوعہ گیا میں نظر سے گذری تھیں نسیم سحر میں ان کو شاگرد حشر مرحوم و شفق عمادپوری لکھا ہے۔ جون سنہ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے نسیم سحر کی اشاعت کا قطعہ تاریخی بھی لکھا تھا۔ غزل مطبوعہ چمنستان سخن بابت اکتوبر سنہ ۱۹

قبا ہو نہ پیراہنِ تن کسی کا | کھلے بند پھرتا ہے دشمن کسی کا
مرے دل نے مجکو خرابی میں ڈالا | الٰہی نہ ہو دوست دشمن کسی کا
نہ کہتے تھے وہ بے مروت ہے اے دل | ہوا ہے نہ ہوگا وہ پرفن کسی کا
مصیبت مری سن کے اتنا وہ بولے | نہ ہو مبتلا غم میں دشمن کسی کا
کفن قطع ہونے لگا جب ہمارا | ہوا غم سے کیوں چاک دامن کسی کا
یہ پازیب کا گھونگرو بولتا ہے | کہ ہے زمزمہ ساز ارگن کسی کا
جب آتے ہیں گورِ غریباں کی جانب | تو وہ پوچھ لیتے ہیں مدفن کسی کا
اسے ضبط کہتے ہیں اف کی نہ منہ سے | وہ سنتا رہا روز شیون کسی کا
ہجوم قیامت میں کیا حال ہوگا | نہ ہوگا جو ہاتھوں میں دامن کسی کا
پس قتل بولے وہ یہ گورکن سے | نہ ہو میرے کوچہ میں مدفن کسی کا
جو وہ غیرت گل یہاں آیا جودت | مکاں بن گیا رشک گلشن کسی کا

غزل مطبوعہ نسیم سحر جون سنہ ۱۹۰۱ء

مقابل نہ ہوگا مری چشم تر سے | اگر سو برس ابر دن رات برسے
نہیں ہوتی پوری ہوس مال و زر سے | بجھی ہے کہیں پیاس آب گہر سے
کوئی صبح تک خواب راحت میں غافل | کوئی اٹھ کے روتا ہے پچھلی پہر سے
بڑھے ایک سے ایک ہیں دونوں عارض | ملالے انہیں کوئی شمس و قمر سے
ہیں قربان تیری نزاکت کے قاتل | سنبھلتی نہیں تیغ نازک کمر سے
کوئی ڈر گیا ہاتھ کانوں پہ رکھکر | کراہا جہاں کوئی درد جگر سے
ہوئی آبرو مل گیا آب و دانہ | گہر کو صدف سے صدف کو گہر سے
ملا خلعت نو عروس چمن کو | کھلے پھول کیا کیا نسیم سحر سے

شب ہجر بگڑی ہے تقدیر جودتؔ — جگر دل سے آزردہ ہے دل جگر سے

قطعہ تاریخ اجرائے گلدستہ نسیم سحر

خدا کے فضل سے اب ہو گیا ہے مشتہر چھپکر — کہاں ہیں آ گئے ہاتھوں ہاتھ لیں احباب گلدستہ
لڑی ہے موتیوں کی یا مضامین مسلسل ہیں — چمک کر خوب نکلا ہے بہ آب و تاب گلدستہ
گل افشاں ہر ورق ہے جلوۂ اشعار رنگیں سے — دکھاتا ہے بہار گلشن شاداب گلدستہ
سحر دشمن قلم کر کے لکھی تاریخ یوں جودتؔ — ہوا شائع عجائب نادر و نایاب گلدستہ

غزل مطبوعہ نسیم سحر ستمبر ۱۹۰۱ء

گیا ہے نالہ دل آسماں تک — اب آگے دیکھئے پہونچے کہاں تک
وفور ضبط سے راز محبت — نہ آیا گو سنہ دل سے زباں تک
کچھ ایسی بے نشاں راہ عدم ہے — نہیں ملتا نشاں رفتگاں تک
رہی ثابت قدم سر دے کے آخر — کٹا دی شمع نے اپنی زباں تک
بھڑکتا ہوں آتش فرقت سے ایسا — ہوئی ہیں راکھ جل کر ہڈیاں تک
جلایا اس طرح سوز نہاں نے — نہیں نکلا مرے منہ سے دھواں تک
ملا اس کا پتا دل ہی میں جودتؔ — جسے ڈھونڈا زمیں سے آسماں تک

غزل مطبوعہ نسیم سحر مئی ۱۹۰۲ء

ہم دل کسی کو دینے کے قابل کہاں رہے — وہ درد بن کے دل میں ہمارے نہاں رہے
دن رات ان کے ساتھ رہے سایہ ساں مگر — ظاہر کبھی رہے تو کبھی ہم نہاں رہے
بھڑکی ہوئی ہے آتش گل صحن باغ میں — بلبل کو فکر ہے کہ کہاں آشیاں رہے
فریاد حشر میں نہ کروں گا مگر کہیں — شاید مجھے نہ طاقت ضبط فغاں رہے
پہلو کو چاک کر گئی تیغ نگاہ ناز — جودتؔ بتاؤ اب دل مضطر کہاں رہے

متفرقات

دیدِ رخ سے ہو گیا درماں دلِ بیتاب کا
اضطرابِ آئینہ سے ملکر مٹا سیماب کا

آنکھ بھر آتی ہے جو وقت یاد میں ہم منّت کی
دیکھتا ہوں جب بھر اساغر شرابِ ناب کا

بحرِ ہستی میں نہ کر ایامِ پیری کا ملال
لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قرب ساحل دیکھکر

نشانِ نقشِ پائے رفتگاں پایا نہ عالم میں
اڑا لی منزلوں کی خاک گردِ کارواں ہو کر

طور پر برق جو چمکی ہے موسیٰ بے ہوش
جلوۂ رخ کے سوا اس میں کوئی راز نہ تھا

کچھ ادائی نے تمہاری یہ اثر دکھلایا
پڑ گئے زلفِ سیہ فام میں خم آپ سے آپ

خمخانہ جاوید میں بھی ان کا مختصر ذکر ہے۔

(۸۹) ہندو۔ بابو پریاگ رام ساکن گیا۔ شاگرد مائل بیتھوی ۱۹۰۱ء میں مشق سخن کرتے تھے گلدستہ نسیم سحر میں ان کا کلام شایع ہوا تھا۔ ایک شعر یہ ہے۔

تصور میں آنکھیں تمہیں دیکھ لیں گی
کہاں تک چھپو گے کسی کی نظر سے

(۹۰) اسیر۔ اکھوری نند کشور ابن اکھوری بہاری لال زمیندار موضع بھراری ضلع گیا۔ قوم کایستھ۔ عدالت میں مختار تھے ۱۹۱۶ء میں زندہ تھے خلش گیاوی سے اصلاح سخن لیتے تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

ہر وقت ستاتے ہو جو ارباب وفا کو
کیا حشر میں تم منھ نہ دکھاؤ گے خدا کو

کوچہ سے ترے اٹھ کے کہیں جا نہیں سکتا
آرام ملا وہ مرے نقشِ کفِ پا کو

(۹۱) صابر۔ اکھوری سیتل پرشاد خلف اکھوری لچھمن سہائے کا نیتھ ساکن میگرہ ضلع گیا۔ سن شعور سے شاعری کا شوق تھا ۱۹۲۵ء میں ایک دیوان بھی مرتب کر رہے تھے اس وقت ان کی عمر تخمیناً پچپن سال

کے قریب تھی نمونہ کلام یہ ہے ۔

بڑھنے لگا تعظیم کو ہر خارِ مغیلاں — دیکھا جو کہیں دشت میں مجھ آبلہ پا کو
گردش چرخ سے گھبراتا ہے کیوں دل میرا — شاید اس پردہ میں پنہاں کوئی حکمت ہوگی

غزل مطبوعہ رسالہ تاج۔ گیا۔ جنوری ۱۹۲۳ء

حبِّ قومی کی ضیا جس میں ہو وہ دل نہیں — آئینہ ہے زنگ آلودہ کسی قابل نہیں
پھونکو کھدر آگ میں ڈالو بدیسی مال کو — جس نے رنگ دی ساتھ میں مٹنے کے وہ قابل نہیں
راز آزادی ہے پوشیدہ سودیشی مال میں — جبر کچھ تھوڑا سا دلیر ہو تو کچھ مشکل نہیں
ہے عمل کا وقت ہو سب کام شدہ ہو جائیں گے — بات کی فرصت نہیں ہے، وقت بھی فاضل نہیں
شاہ راہِ کامیابی ہے ہمارا اتفاق — کچھ نہ ہوگا ہندو اور مسلم اگر اک دل نہیں
بے خبر انسا سے ہو عشق کا دعویٰ یہ ہے — قوت روحانیہ تم کو ابھی حاصل نہیں
کس طرح صابر کرے پیری میں خدمت ملک کی — وہ توانائی نہیں وہ دن نہیں وہ دل نہیں

کام پورا ہو خاک بسمل کا — ہاتھ اچھا پڑا ہے قاتل کا
جمع ہیں شاعران خوش گفتار — جم گیا رنگ آج محفل کا
چاند دلہن تو شمس ہے نوشاہ — جوڑا اچھا ملا مقابل کا
بزم شادی ہیں بزم شعر و سخن — کام ہے شاعران کامل کا
کیوں نہ صابر مجھے مسرت ہو — آج نکلا ہے حوصلہ دل کا

(۹۲) صنم۔ بابو امبیکا سہائے خلف منشی جگرناتھ سہائے قوم کائستھ ساکن ہرنام ڈیہہ ضلع گیا ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ خلش گیاوی کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بے فائدہ کیوں ہاتھ اٹھاتا ہے دعا کو — معلوم ہے دل کا ترے احوال خدا کو

لکھو آج صنم تو وہ پھڑکتے ہوئے اشعار ترپائے غزل اپنی سنا کر شعرا کو

(۹۳) دہاتی ۔ بابو ہری ہر پرشاد چنچل عرف لال بابو اگروال خلف بابو ہر کشن داس اگروال ساکن لہیری ٹولہ شہر گیا۔ بڑے ظریف الطبع تھے اکثر مزاحیہ اشعار بھی کہتے تھے۔ گیا میں اگروال پریس انہیں نے جاری کیا تھا۔ عرشؔ گیاوی سے بھی بہت ربط تھا۔ ۱۹۰۴ء میں اپنے پریس سے اخبار بہار پنچ جاری کیا تھا جس کی ادارت عرشؔ گیاوی کے سپرد تھی پھر ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ ایک دوسرا اخبار "رنگیلا" ہندی رسم الخط میں نکالا۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۴ء میں انتقال کیا نمونہ کلام یہ ہے۔

بستانِ دہر میں یہ گلستاں ہو کس لئے نغمہ سرا یہ مرغِ خوش الحان ہو کس لئے
جب زندگی ہی اپنی دہاتی ہو بے ثبات عیش و نشاط کا سر و ساماں ہو کس لئے
دنیا کا انقلاب دکھانے کے واسطے محتاج مجکو کر دیا دانے کے واسطے
راحت جو بعد رنج دہاتی ہوئی نصیب اچھا سبق ملا یہ زمانے کے واسطے
وصل کی شب رنگ اس گلبدن کا یوں فق ہو گیا جیسے کملائے کوئی .. کچی کلی گلزار کی
تنگ ہوں میں فیس میں نذرانہ میں اور محنتانہ میں موکل کی حجامت ہوتی ہو مختارخانہ میں

(۹۴) قیسؔ ۔ بابو رام پرشاد بی اے بی ال وکیل گیا۔ خلف منشی سنجیون لال دیوان (سات آنے) راج ٹکاری تلمیذ حضرت اکبر داناپوری اردو کے مشاق شاعر تھے ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں گیا میں ایک ادبی انجمن موسوم بہ لیٹری کلب قایم کی تھی جس میں ہر مہینہ مشاعرہ منعقد ہوا کرتا تھا اور مشاعرہ کی غزلوں کا گلدستہ بھی شایع ہوتا تھا۔

اس انجمن کا ایک گلدستہ راقم کی نظر سے بھی گزرا تھا اسی سے ایک غزل اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔ یہ گلدستہ ۶۶۶۲ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی موجود ہے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ان کے کلام کا مختصر مجموعہ موسوم بہ یادگار نفیس حسین بخش شہر گیاوی نے شایع کیا تھا اور مشفق عمادپوری نے اس کا دیباچہ لکھا تھا لیکن کم سوادی اور بے اعتنائی کے سبب یہ مجموعہ بہت ضروری مواد سے خالی رہ گیا۔

میرا کلب ہمیشہ ہی پھولا پھلا کرے
ہو کوئی فصل یہ نہ ترو تازہ رہا کرے

انسان کس زباں سے تیری ثنا کرے
اک مشت خاک حمد خدا کیا ادا کرے

کب کہتے ہیں یہ ہم کوئی ہم سے وفا کرے
ہم سب میں خوش ہیں کوئی وفا یا جفا کرے

مجھ سے مریض غم کی کوئی کیا دوا کرے
ہاں وہ دوا کرے جو کوئی معجزہ کرے

بیمار دشمنوں کے غم میں نہ کتنا گھلا کرے
آٹھ آٹھ آنسو نفیس نہ روئے تو کیا کرے

تیر نگہوں میں یہ ترا شاگرد ہے اگر
ہر روز چرخ ایک کرشمہ نیا کرے

تم یہ تنا رہے ہم ہوں نہ ہو دل تمہارا صاف
ہم یوں بھی خوش ہو تو کوئی مر کے کیا کرے

یوں تو جہاں میں ہیں بہت غیرت مسیح
میرا مسیح وہ ہو جو میری دوا کرے

یہ ہو مرض علاج یہاں معرکہ کا ہے
جس کو مسیح بننا ہو میری دوا کرے

ہو جس کے پاس مال زکوٰۃ اس پہ فرض ہے
جو مالدار حسن ہو بوسے دیا کرے

ہم تو دم ان کا بھرتے ہیں یہ غیروں پر نثار
ان بیوفاؤں پر کوئی دل کیوں فدا کرے

تسبیح ہاتھ میں ہے دعا ہے زبان پر
آجائے میرے گھر میں وہ کافر خدا کرے

دو دن کی زندگی میں عداوت کسی سے کیا
یہ دن ہنسی خوشی میں بسر ہوں خدا کرے

نام اوس قلم کا خامہ جادو نگار ہے
مضموں جو تیری چشم سیہ کا لکھا کرے

میں نے کہا جوان سے کہ مرتا ہوں آپ پر
بولے یہ مسکرا کے مرو تم خدا کرے
اب قیس کو بنا دیا کچھ اور عشق نے
لیلیٰ میں اس کے نام کی سمرن جپا کرے

قیس کے تین اشعار راقم کے پاس ایک بیاض میں لکھے ہوئے موجود تھے وہ یہ ہیں۔

چلے باغ دنیا سے کیا لے کے ہم
نہ کچھ رنگ لائے نہ پھولے پھلے
عجیب شان سے دیکھا ہے اس کو پہلو میں
ہمارے خواب کی تعبیر دیکھئے کیا ہو
شوق سے آئے تھے تربت کو مٹانے کیلئے
چپ کھڑے ہیں آپ کیوں گور غریباں دیکھکر

قیس نے ۱۹۰۸ء میں کوئی پچاس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ رسالہ تاج گیا ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء میں ان کی تصویر بھی شایع ہوئی تھی۔

محلہ مراد پور گیا میں مولوی سید غنی حیدر صاحب مرحوم کا تعمیر کردہ عالی شان مکان ہے اس کے دروازہ کے اوپر قیس کا کہا ہوا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ اب یہ مکان غالباً شاہ قاسم غنی صاحب کی ملک ہے۔

خادم وارث علی سید غنی حیدر لبا ساخت
ایں مکان تو کہ در وصفش زبانی ہدستو
سال تعمیرش چو جوئی قیس ایں مصرعہ بگو
بزم کہہ دولت کدہ دار السرور انجم شکوہ

۱۹۰۲

(۹۵) گوہر۔ بابو بھواتی پرشاد ساکن ٹکنہ ضلع گیا۔ زیادہ حال معلوم نہ ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کھولدے میخانہ کر باب کرم آراستہ
لطف ہے ساقی مے گلفام کا برسات میں

(۹۶) ہمراز۔ بابو بھگوتی پرشاد سنگہ قوم راجپوت ساکن شہر چھپرا

ساکن سنہ ولادت تقریباً ۱۸۹۵ء زمینداری کی بدولت خوش حالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بچپنے میں ان کا اسٹیٹ کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں تھا۔ اردو کے علاوہ انگریزی، ہندی اور سنسکرت سے بھی بخوبی واقف تھے اور ان زبانوں میں تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا ان کی آخری تصنیف رس النکار یعنی علم عروض سنسکرت انگریزی زبان میں لکھی گئی تھی۔ فن مصوری اور موسیقی میں بھی دخل تھا۔ اردو شاعری میں مولوی محبوب احمد صاحب عنقا سے تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

سمجھنا ہم پریشاں تھے تمہارا خط نہیں پا کر
ہمارے خط کے مضموں میں اگر کوئی خطا نکلے
تری صورت کچھ ایسی دل نشیں معلوم ہوتی ہے
جہاں ہر دن کھینچتا مجھکو وہیں معلوم ہوتی ہے
یہ مانا پیار کرنے میں مرے دل کی خطا ٹھہری
مگر صورت تمہاری کیوں حسیں معلوم ہوتی ہے
عجب عالم نظر آتا ہے جام عکس افگن کا
کہ نیچے آسماں اوپر زمیں معلوم ہوتی ہے
لگاتے ہو پتا ہمراز کیوں ان کی محبت کا
بتوں کی کارسازی بھی کہیں معلوم ہوتی ہے
محبت کی یہ انتہا ہو رہی ہے
کہ ان کی جفا پر وفا ہو رہی ہے
ستم پر ستم اور جفا کرو تم
مرے درد دل کی دوا ہو رہی ہے
مرے گلبدن کی ہے کیا آمد آمد
معطر جو باد صبا ہو رہی ہے
مجھے چھوڑ کر اب کہاں جا رہے ہیں
مری روح تن سے جدا ہو رہی ہے
ترے بال جب سے کمر تک ہیں آئے
مری جاں اسیر بلا ہو رہی ہے
خدا کی قسم میں تمہارا ہوں شیدا
مری جاں تم پر فدا ہو رہی ہے
کسی سے کسی کا نہ دلبر جدا ہو
یہی حق سے میری دعا ہو رہی ہے

کسی کی محبت میں ہمراز اب تو   طبیعت بہت مبتلا ہو رہی ہے

(۹۷) جوش۔ بابو بھینو رپرشاد رئیس مظفر پور تلمیذ حفیظ جونپوری ایک مختصر دیوان ۹۰ صفحوں کا موسوم بہ بہار جوش مرتب ہو کر شائع ہوا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یہی حال تو آئے گا دشمنوں کو ترس   عجب نہیں کہ سفارش کرے عدو میری

(۹۸) ناداں۔ منشی پریاگ دت ابن ٹھاکر گردھاری لال ساکن موضع دھیوڑی علاقہ شیر گھاٹی ضلع گیا۔ ڈالٹین گنج میں عدالت فوجداری کے مختار تھے۔ شاعری میں مہر برکا بری سے تلمذ تھا ۱۹۳۰ء میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اب تو روتا ہوں ہجر میں ناداں   دل لگایا تھا دل لگی کے لئے

(۹۹) نطق۔ بابو سجیت نراین سنہا ساکن لودی پور ضلع گیا۔ رسالہ تاج ماہ فروری ۱۹۲۰ء میں فرد لودی پور کلاں اور رد درد لودی پوری کے ساتھ اُن کی تصویر شائع ہوئی تھی اس میں نطق دھوتی، کوٹ اور سیاہ رنگ کی گول ٹوپی پہنے ہوئے نظر آتے تھے۔ عمر کوئی چالیس برس کی ہو گی۔ مشاق شاعر تھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

پھولوں کی بو ہے یاد ترے رخ کی آ گئی   مر کر بھی مجھکو چین نہ آیا مزار میں

(۱۰۰) صنوبر۔ منشی بجرنگ سہائے خلف منشی گوپی ناتھ سہائے بلبل ساکن محلہ پان دریبہ متصل گذری پٹنہ۔ سنہ ولادت تخمیناً ۱۸۸۵ء۔ میر باقر صاحب باقر تلمیذ حضرت وحید الہ آبادی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ میر باقر کے دیوان کے آخر میں ان کہا ہوا

قطعہ تاریخ طباعت بھی مندرج ہے۔ اپریل سنہ ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مشاعرہ مقام درگاہ حضرت شاہ ارزاں قدس سرہٗ میں انھوں نے یہ غزلیں پڑھی تھیں جو رسالہ تاج میں شایع ہوئی تھیں۔ دس بارہ سال ہوئے انھوں نے انتقال کیا۔

اس دل زار میں جب عشق پریزاد آیا — نور حق دیدۂ باطن میں خدا یاد آیا
غیر پرستی ہے مرا دل ہے منور زاہد — دیکھ کر حسن بتاں مجھکو خدا یاد آیا
کیا کہیں عاشق جانباز کا کیسا ہے نصیب — کوے جاناں سے کبھی آیا تو یہ ناشاد آیا
کیسی تقدیر ہے مرغان چمن کی یارب — فصل گل آتے ہی گلزار میں صیاد آیا
مرغ دل لاکھوں گرفتار ہوئے دام میں آج — بال کھولے ہوئے جب باغ میں صیاد آیا
حیف صد حیف غم ہجر میں موت آئی مگر — سر بالیں نہ کبھی بانیٔ بیداد آیا
غم پہ غم سہتے ہیں فرقت میں ترے اے ظالم — نالہ ہرگز نہ لبوں پر دم فریاد آیا
میں تو سر دینے کو مقتل میں کھڑا ہوں لیکن — خواب میں بھی نہ کبھی سامنے جلاد آیا
مر مٹے خاک ہوئے سہہ کے غم فرقت میں — قبر پر بھی نہ کبھی وہ ستم ایجاد آیا
خار غم چبھ گیا نشتر کی طرح دل میں مرے — جبکہ تیر نگہ یار مجھے یاد آیا
مجھ ستمکش کے سوا جور و جفا کے لئے ہائے — اے فلک تجھکو کوئی اور نہیں یاد آیا
بے کسی کے سوا اس عالم تنہائی میں — کوئی آیا بھی تو وہ صورت جلاد آیا
لوٹ آئی مری پھر جان مری آنکھوں میں — کون اس وقت دم مرگ مجھے یاد آیا
آتش ہجر سے جل بھن کے ہوا خاک یہ دل — پر نہ ہونٹوں پہ دھواں بھی دم فریاد آیا
دیکھکر گلشن دل میں مرے داغوں کی بہار — حور و غلماں کو بھی گلزار ارم یاد آیا
ان کے آنے کی خبر سن کے پریشانی میں — حال کہنے کو زباں تک دل ناشاد آیا

نہیں قابو میں ہا دل نہ جگر پہلو میں
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

آبدیدہ ہوا تو دیکھ کے کیوں مجھے فلک
اے صنوبر تجھے بیٹھے ہوئے کیا یاد آیا

بند کیں آنکھیں تو دیکھی میں نے صورت یار کی
کھل گئی ساری حقیقت مخزن اسرار کی

پھر بہار آئی ہے پھر رونق بڑھی گلزار کی
پھر طبیعت جوش پر ہے اندنوں میخوار کی

آرزو ہے ہر بشر کو اس پری رخسار کی
ہے محبت سب کو اس کے ابروے خمدار کی

دعا پڑھی جب دیکھی میں نے صورت یار کی
اور دل میں آرزو بڑھتی گئی دیدار کی

اے برہمن کب تلک پابندی دام ہوس
طالب حق کو کوئی حاجت نہیں زنار کی

گنج تنہائی میں ہوتا ہے حقیقت کا ظہور
دیدہ دل میں تجلی ہے خیال یار کی

ہر طرف روشن ہے جب نور مبارک آ گیا
روشنی پھیلی ہے ہر سو معدن انوار کی

پھر بڑھا جوش جنوں وحشی چلے پھر سوئے دشت
پھر بڑھی جاتی ہے رونق وادی پرخار کی

زخم دل کیونکر بھرے پھر دل کے اندر اندنوں
چبھ رہی ہے نوک تیغ ابروے خمدار کی

نقد دل لے لیکے ہاتھوں میں ہیں سب عاشق کھڑے
کس قدر رونق بڑھی ہے عشق کے بازار کی

عاشقاں ہوئے زلف عنبریں کے روبرو
کچھ حقیقت ہی نہیں ہے چین کی تاتار کی

میں تو مقتل میں کھڑا ہوں اے ستمگر جلد آ
ہے تمنا میری گردن کو تری تلوار کی

بند ہو جائیں گی آنکھیں گر تصور میں ترے
پھر تو کھل جائیگی قسمت دیدہ بیدار کی

حسرتیں دل کی اگر نکلیں تو نکلیں کس طرح
ہے بڑی زنجیر دل پر گیسوے خمدار کی

بیکسی کی حالتوں میں درد و غم کے ماسوا
ایک بھی صورت نہیں دیکھی کسی غمخوار کی

لاکھوں کشتہ ہو گئے جاتیں ہزاروں کی گئیں
ہے عجب تاثیر اس کی شوخی رفتار کی

جان دوبارہ میں نے پائی اے صبا صد شکر ہے
بو کہاں سے تو اڑا لائی ہے زلف یار کی

اے صنوبر گل کھلے جو آج مرجھائیں گے کل
کس نے دیکھی ہے بہار یکساں کسی گلزار کی

(۱۰۱) فطرتی - بابو ہیرا لال۔ ساکن محلہ پان دریبہ متصل گزری پٹنہ شاگرد منشی محمد باقر باقر عظیم آبادی تلمیذ حضرت وحید الہ آبادی سنہ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۸۲ء۔ میر باقر کے دیوان کے آخر میں ان کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ طباعت بھی موجود ہے۔

ان کی یہ غزل گیا کے مشاعرہ سنہ ۱۹۲۲ء کی رپورٹ مندرجہ رسالہ تاج ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء میں شایع ہوئی تھی۔

جب سے برگشتہ جہاں میں ہوئی قسمت میری
پھیر لیتے ہیں وہ منہ دیکھ کے صورت میری

دل و جاں نے بھی کی وقت پہ شرکت میری
حیرت افزا ہے زمانہ میں مصیبت میری

حسن جاناں پہ نظر پڑتے ہی جاتے رہے ہوش
اک اشارے میں یہاں لٹ گئی دولت میری

جس کی امید پہ بیٹھا ہوا دنیا میں رہا
ہائے اس نے کبھی پوچھی بھی نہ حالت میری

سر قلم کر دے مرا شوق سے قاتل لیکن
حشر میں رنگ دکھا دے گی شہادت میری

یا الٰہی مرے دشمن کو بھی یہ دکھ نہ دکھا
جس مصیبت سے کٹی ہے شب فرقت میری

اب ہیں امید کروں بعد فنا کیا ان سے
زندگی میں جو نہ نکلی کبھی حسرت میری

ان کے سب ظلم و ستم سہتا ہوں دل پر لیکن
ان سے پھرتی ہی نہیں پھر بھی طبیعت میری

ہیں جدا سب سے ہوں دنیا میں نہیں مجھ سا کوئی
کس سے ملتی ہے بتا دے کوئی صورت میری

کس جگہ فکر نہیں ان کی، نہیں ان کی تلاش
ان کا دیدار ہو ایسی کہاں قسمت میری

ظلم سہتا رہا اف تک نہ زباں پہ آئی
فطرتی آپ نے دیکھی یہ شرارت میری

وہ ہم کو خواب میں صورت دکھا کے بیٹھے ہیں
نصیب آج ہم اپنا جگا کے بیٹھے ہیں

نہ پوچھ شوق شہادت کا ہم سے کچھ احوال
شہید ہونے کو مقتل میں آ کے بیٹھے ہیں

سوال شوق شہادت کیا نہیں جاتا
خموش سامنے قاتل کے جا کے بیٹھے ہیں

ہمارے پاس ہی کیا نذر کیا کریں انکو — جو نقد دل تھا اسے بھی لٹا کے بیٹھے ہیں
ہجوم اہل محبت سے ہو گئے عاجز — یہی سبب ہے کہ پردے میں جا کے بیٹھے ہیں
فراق میں کسی گلگوں قبا کے گھبرا کر — چمن میں دل کی تسلی کو آ کے بیٹھے ہیں
کہاں ہو اب ہمیں طاقت کہ اٹھکے جائیں کہیں — نگہہ کے تیر تو ہم دلربہ کھا کے بیٹھے ہیں
خدا کے واسطے اے نظری بغور تو دیکھ — کہ کون چھپ کے نگاہوں میں آ کے بیٹھے ہیں

(۱۰۲) منت ۔ منشی گور بخش ساکن محلہ دھوبیورہ متصل بیگم پور عظیم آباد ان کی ایک مختصر سی بیاض (خود نوشتہ نسخہ) ل ۱۱۷۵ یونیورسٹی لائبریری میں پائی گئی جس میں کچھ مخمس اور غزل کے اشعار وغیرہ پائے گئے یہ بیاض سنہ ۱۹۵۰ء کے کچھ بعد کی لکھی ہوئی ہے مندرجہ ذیل اشعار اسی سے نقل کئے گئے ہیں۔

غضب ہیں یار کی ترچھی نگاہیں — رگ جاں چھیدتی ہیں تیر کیا ہے
پڑھا کس نے ہے خط پیشانیوں کا — کہ تا معلوم ہو تحریر کیا ہے
عبث کہنا تمہارا ہے یہ منت — بتوں کے رد برہ تقریر کیا ہے

(۱۰۳) جوہر ۔ بابو راد ھے لال ۔ راقم ان کو جانتا تھا لیکن ان کا کلام دستیاب نہوا اسلئے کہ ان کے ورثا بھاگلپور کی طرف چلے گئے اور وہیں مقیم ہیں ۔ جوہر منشی بجرنگ سہاے صنوبر اور بابو بیریا لال فطرتی کے عزیزوں میں تھے سنہ ولادت تخمیناً سنہ ۱۸۸۴ء تھا دس بارہ برس ہوا انتقال کیا میر محمد باقر عظیم آبادی تلمیذ وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے۔

(۱۰۴) درد ۔ لالہ امرت لال ساکن لودی پور ضلع گیا۔ اردو شاعری سے خاص شغف رکھتے تھے اور خلش ندردی (گیاوی) کو اپنا کلام دکھاتے تھے سنہ ۱۹۲۰ء میں ان کی تصویر رسالہ تاج گیا میں تغلق اور قمر کی تصویروں

کے ساتھ شایع ہوئی اس میں درد شیروانی اور گول ٹوپی پہنے نظر آتے ہیں ۱۹۲۵ء کے قریب تخمیناً پینتالیس ۴۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کا کلام متفرق رسالوں میں شایع ہوا کرتا تھا اس جگہ بطور نمونہ کچھ اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

غزل مطبوعہ آل انڈیا مشاعرہ گیا ۱۹۲۳ء

ترک الفت اپنی خلقت میں ہے گو داخل نہیں — کیا کروں ناصح مگر اب مانتا یہ دل نہیں
میں تجھے نوشیرواں بھی کہدوں کچھ حاصل نہیں — ساری دنیا کہتی ہے تجھ سا کوئی قاتل نہیں
بزم افسردہ نہیں ہو کیونکہ گاندھی کے بغیر — روشنی کیا ہو جہاں شمع سر محفل نہیں
دل یہ کہتا ہے کہ سینہ سے لگالوں یار کو — عقل کہتی ہے کہ اس عزت کے وہ قابل نہیں
صبر سے اے درد اپنا کام کرتے جائیے — اس سے بہتر اور کوئی کوشش کامل نہیں

کیوں نہ مرجاؤں جو پہلو میں وہ دلدار نہیں — زندگی تلخ ہے جس کا ہو کوئی یار نہیں
کہدے اے باد صبا اس گل تر سے جاکر — تیرے بیمار میں اب زیست کے آثار نہیں
ہو کے آزاد بھی اے درد نہیں ہے آزاد — دام گیسو میں جو ظالم کے گرفتار نہیں

غزل مطبوعہ رسالہ تاج گیا (ماہ اگست ۱۹۲۲ء)

شکریہ شاعران کامل کا — جم گیا رنگ آج محفل کا
منہ یہ کہتا ہے حال دشمن و دوست — صاف اتنا ہے آئینہ دل کا
شادیانے خوشی کے بجتے ہیں — آج نکلا ہے حوصلہ دل کا
ضبط کی آہ مرحبا اے عشق — پردہ اٹھ جاتا ورنہ محمل کا
بزم میں سیکڑوں حسیں ہیں درد — کوئی پرساں نہیں مرے دل کا

نزع میں چھوڑ کے کیوں غیر کے گھر جاتے ہیں — ہم کدھر جاتے ہیں اور آپ کدھر جاتے ہیں

کوے قاتل میں جو ہم سینہ سپر جاتے ہیں | لوگ کہتے ہیں کہ یہ موت کے گھر جاتے ہیں
بد جو اسی گریے نالوں کے اثر کی دیکھو | گھر ہی اُس بت کا کدھر اور کدھر جاتے ہیں
دردِ دل دردِ جگر آہ و فغاں شور و بکا | آج اس دھوم سے ہم یار کے گھر جاتے ہیں
لطفِ برسات کا جب ہجر میں آتا ہے خیال | اشک آنکھوں میں مری آکے ابھر جاتے ہیں
تم دکھاؤ نہ مجھے ابروئے خمدار کی باڑھ | مرنے والے کہیں شمشیر سے ڈر جاتے ہیں
بحرِ الفت نے مجھے جب سے ڈبویا اے درد | چاہ کا نام بھی سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں

(۱۰۵) رام — بابو رام انوج سہائے وکیل عدالت پٹنہ خلف منشی رام پرکاش لال ساکن موضع مکیان پور ضلع شاہ آباد (آرہ) صوبہ بہار کے مشہور و معروف اور معزز وکیل تھے ۱۹۲۲ء میں کانگریس کے اجلاس کے موقع پر ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی منعقد ہوا تھا جس کی صدارت سیماب اکبر آبادی نے کی تھی۔ اس مشاعرہ کی استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین بابو رام انوج سہائے منتخب ہوئے تھے۔ سال ولادت سمبت ۱۹۲۸ ہے ان کی تصنیف سے ایک ناول موسوم بہ جادوگر جوگی شایع ہوا تھا۔ شاعری کا نمونہ یہ ہے۔

مست ہو کر پھر رہی ہے آج اترائی ہوئی | کوچہ جاناں سے شاید صبا آئی ہوئی

(۱۰۶) افسر — بابو بکرما دت لال ساکن سہسرام شاگرد اختر سہسرامی نمونہ کلام یہ ہے۔

ہلال اہل زمانہ کو ہے سبق آموز | کہ رفتہ رفتہ بشر کمال ہوتا ہے

(۱۰۷) فرد — بابو رنجیت سنگھ متوطن گیا انکا یہ شعر ایک بیاض میں ملا۔

ششدر در آئینہ ہے انکا دیکھ کر | اور انہیں سکتہ ہے آئینہ کو حیراں دیکھ کر

تاج ماہ فروری ۱۹۲۰ء میں ان کی تصویر نطق و دردو لودی پوری کے ساتھ شایع ہوئی تھی اس میں فرد شیروانی اور سیاہ گول ٹوپی پہنے نظر آتے ہیں عمر اس وقت غالباً پینتیس ۳۵ سال کے لگ بھگ ہوگی۔

(۱۰۸) فدا۔ منشی کلدیپ سہائے متوطن سہسرام شاگرد راحت سہسرامی نمونہ کلام یہ ہے۔

گلوں نے بلبل شیدا کو اشکبار کیا ۔ مجھے تمہاری محبت نے بے قرار کیا

(۱۰۹) کلدیپ۔ منشی ٹھاکر کلدیپ نرائن وکیل سہسرام تلمیذ راحت سہسرامی ۱۹۱۰ء میں فوت ہوئے نمونہ کلام یہ ہے۔

عارض انشاں کا کل کے تصور میں ترے ۔ صبح تک گنتے رہے کلدیپ تارے شام سے

(۱۱۰) لچھمی۔ بابو لچھمی نرائن عظیم آبادی زیادہ حال معلوم نہوا۔ ان کی یہ غزل تاج ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء میں عظیم آباد کے مشاعرہ کی رپورٹ کے سلسلہ میں شایع ہوئی تھی۔

کیوں مجھے چھوڑ چلی دشت میں وحشت مری ۔ کچھ دنوں اور بھی کرتی یہ رفاقت میری
وعدے بھی کرتے ہیں پھر آپ مکرتے بھی ہیں ۔ یہ سمجھتے ہی نہیں بڑھتی ہے وحشت میری
پڑے رہتے ہیں عشاق سے وہ کہتے ہیں ۔ حشر سے پہلے نہ دیکھے کوئی صورت میری
جس کو کل رات بہت غور سے سنتے تھے حضور ۔ قصہ کا قصہ نہ تھا وہ تھی حکایت میری
جور پر جور سہے لاکھ مگر اف بھی نہ کی ۔ پھر ستم دیکھو وہ کرتے ہیں شکایت میری
آنکھ نرگس کی دہن غنچے کا بو بس گل کا ۔ ٹوٹ کر آئے نہ کیوں اس پہ طبیعت میری
ہیں وہ ناکام محبت ہوں ازل سے ہمدم ۔ مرتے مرتے بھی نہ نکلی کوئی حسرت میری
وادیٔ عشق میں تجھ سا جو نہ ہوتا رہبر ۔ اے جنوں سچ ہے کہ بڑھتی نہیں ہمت میری

ابتدا جوش جنوں کی ہے ابھی کیا ہوگا — چار دن بعد غضب ڈھائیگی وحشت میری

منزلوں دور ابھی وصل کی ساعت ہوگی — اور مسرور ابھی سے ہے طبیعت میری

گردش دیدہ جاناں کی بدولت مجھی — مثل سرمہ کے پسی جاتی ہے تربت میری

(۱۱۱) کشور — بابو نند کشور لال ساکن محلہ لودیکٹرہ عظیم آباد۔ لڑکوں کو پڑھانے کا مشغلہ رکھتے ہیں اسلئے عوام انہیں ماسٹر نند کشور کہلاتے ہیں۔ اکثر مشاعروں میں غزلیں پڑھتے ہیں۔

عظیم آباد کے مشاعرہ سنہ ۱۹۲۲ء کی رپورٹ مندرجہ رسالہ تاج دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء میں ان کی یہ غزلیں شایع ہوئی تھیں۔

روز جس بزم میں ہوتی ہے شکایت میری — کب وہاں جانے کو چاہے گی طبیعت میری

غم نہیں اس کا اگر لٹ گئی دولت میری — میرے اللہ سلامت رہے عزت میری

داستان قیس کی اک قصہ پارینہ ہے — آکے سن جائیے اب تازہ حکایت میری

خیریت پوچھ رہے ہیں جو مری ہنس ہنس کر — کرچکے ہیں یہی در در کے شکایت میری

پاؤں رکھنے کی جگہ کوچہ قاتل میں نہیں — دیکھئے ابکے کہاں بنتی ہے تربت میری

یونہی اٹکھیلیاں کرتی جو رہی باد صبا — اڑکے ہو جائیگی تیرے کوچہ میں تربت میری

گردش چشم فسوں ساز کا میں کشتہ ہوں — سب کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے تربت میری

آج رہ جائیے معلوم نہیں کیا ہوگا — کل چلے جائیے گا دیکھ کے حالت میری

قیس کہتا ہوا نکلا یہ جنوں میں گھر سے — کس کے سر پڑتی ہے اب دیکھئے وحشت میری

ڈھونڈنے جاتے ہیں کیا گور غریباں کی طرف — آپکے پاؤں کے نیچے تو ہے تربت میری

میرے رونے سے وہ گھبرائے ہوئے ہیں کشور
ظاہر اغیار پہ ہو جائے نہ الفت میری

وہ بے حجاب چمن میں جو آ کے بیٹھے ہیں — بڑی یہ اوس کہ گل منہ چھپا کے بیٹھے ہیں
جوان کے سایہ گیسو میں آ کے بیٹھے ہیں — مزا وہ کالی گھٹا کا اٹھا کے بیٹھے ہیں
عدو کا غنچۂ خاطر کھلا کے بیٹھے ہیں — ہمارے پہلو میں تیور چڑھا کے بیٹھے ہیں
کسی کی آنکھوں سے آنکھیں لڑا کے بیٹھے ہیں — ہم اپنے آپ کو حیران بنا کے بیٹھے ہیں
وہ بھیڑ دیکھ کے کہنے لگے خدا کی پناہ — ہماری جان کے گاہک یہ آ کے بیٹھے ہیں
سمجھ کے سوختۂ آتش فراق اپنا — وہ میری خاک سے دامن بچا کے بیٹھے ہیں
کسی طرح تو دلِ مضطرب کو چین آئے — تمہارا نقش تصور جما کے بیٹھے ہیں
گئے ہیں سیر چمن کو وہ غیر کے شامل — ہماری راہ میں کانٹے بچھا کے بیٹھے ہیں
خدا گواہ ہی کٹتی ہے چین سے کشور — ہم اپنی ہستی کو جب سے مٹا کے بیٹھے ہیں

(۱۱۲) کشتہ۔ بابو اودھ کشور پرشاد بی اے ال ال بی خلف بابو نند کشوری پرشاد ساکن موضع پردہہ ضلع گیا۔ سنہ ولادت ۱۸۹۳ء اور سنہ وفات ۱۹۴۵ء ہے۔ گیا کے مشاہیر ہند و شعرا میں تھے۔ عرصہ تک میونسپل کمشنر بھی تھے۔ شعر و سخن سے خاص شغف رکھتے تھے اور اوریئنٹ کلب گیا کی روح رواں تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۱۶ میں ایک ڈرامہ موسوم بہ چھپی کٹاری تصنیف کیا تھا جو بنگالی کلب میں کھیلا گیا تھا۔ اور شہر کے رؤسا اس کو دیکھنے کے لئے مدعو کئے گئے تھے۔ بعد میں انوکھی برچھی، بھول پر بھول اور احال ادھار نامی ڈرامے اردو میں لکھے۔ ابتدا میں خلش گیاوی سے اصلاح سخن لیتے تھے پھر خواجہ عشرت لکھنوی کے شاگرد ہوئے آخر میں نوح ناروی سے تلمذ حاصل کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اتنا شہرہ ہے ماہ کامل کا — لیکن اک داغ ہے مرے دل کا
پھول برسائیں وہ رقیبوں پر — میں تو کانٹا ہوں ان کی محفل کا
نالِ مفلس سمجھ کے اے گشتہ — کوئی خواہاں نہیں مرے دل کا

ہم کو کیا علم کدھر آئے کدھر جاتے ہیں — اک کشش ہے لیے جاتی ہے جدھر جاتے ہیں
کس کے نالے نے کیا شور قیامت برپا — آپ تھامے ہوئے کیوں قلب و جگر جاتے ہیں
کوچۂ عشق ہے یا ملک عدم کی منزل — ہوش میں کیوں نہیں آتے جو ادھر جاتے ہیں
صاف آتا ہے نظر صبح و مسا کا منظر — رخ پر نور پہ گیسو جو بکھر جاتے ہیں
نکلے جہاں تو آتے ہیں تمہارے پیکاں — میزباں بنکے مگر دل میں ٹھہر جاتے ہیں
ان حسینوں کی دورنگی کے کرشمے دیکھو — منہ سے اقرار نگاہوں سے مکر جاتے ہیں
دل کو برماتا ہے یہ خواب پریشاں گشتہ — مجھ سے چھپ چھپ کے وہ اغیار کے گھر جاتے ہیں

(۱۱۳) **خلش** ۔ بابو جگیشر پرشاد خلف منشی کاشی ناتھ ساکن موضع بدرہ ضلع گیا۔ کہنہ مشق اور ذی علم شاعر ہیں۔ اس ضلع کے اکثر نوعمر شعرا ان سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ ان کی ادارت میں رسالہ تاج برسوں تک بہت آب و تاب سے نکلتا رہا اور ۱۹۱۶ء میں گیا میں آل انڈیا مشاعرہ بھی انہیں کی سعی سے منعقد ہوا تھا اس کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مشاعرے دھوم دھام سے ہوئے۔ اردو سبھا گیا کے سکریٹری تھے۔ انہوں نے شعرا کا ایک تذکرہ موسوم بہ فروغ بزم (مطبوعہ ۱۹۳۰ء) بھی مرتب کیا ہے۔ بیسوی صدی عیسوی کے اول ربع میں اردو شاعری اور ادب کی ترقی میں انہوں نے بہت کافی حصہ لیا سیاسی تحریکوں میں بھی انہوں نے عملی حصہ لیا راقم کی خواہش تھی کہ ان کے خود نوشتہ حالات

اس تذکرہ میں درج کئے جائیں انہوں نے اپنے حالات لکھکر دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن ابتک نہ بھیجا اسلئے راقم کو جو کچھ معلوم تھا اس جگہ درج کیا۔ اس وقت ان کی عمر تخمیناً ساٹھ سال ہے ان کا کلام تمام اصناف شاعری میں پایا جاتا ہے بطور مشتے نمونہ از خروارے کسی قدر اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

نام یوں عاشق صادق کا ہے کرجاتے ہیں
موت آنے نہیں پاتی ہے کہ مرجاتے ہیں

میری تقدیر سے اچھے ہیں تمہارے گیسو
جب بگڑتے ہیں سنوارے سے سنور جاتے ہیں

رات بھر رو رو کے ہمکو بھی رلاتی ہے عبث
ہم سے جلتی ہے تو اے شمع بکھر جاتے ہیں

ابھی کمسن ہیں وہ سنکر یہ نالے شب ہجر
سہم جاتے ہیں جھجک جاتے ہیں ڈر جاتے ہیں

یہ کہاں تاب کہ دیکھیں رخ روشن تیرا
مرنے والے ترے انداز پہ مرجاتے ہیں

المدد جذبہ دل اے کشش عشق مدد
مجھ سے پھر روٹھ کے وہ غیر کے گھر جاتے ہیں

اٹھ کے کعبہ سے تو ہم آئے ہیں بتخانے کو
دیکھیں اب یہاں سے جو اٹھاتے ہیں کدھر جاتے ہیں

توڑ کر عہد وفا جاتے ہو تم غیر کے گھر
ہم بھی اب نزع میں دم توڑ کے مرجاتے ہیں

یاد رہجاتی ہے بے مہری احباب خلش
دن مصیبت کے گذرنے کو گزر جاتے ہیں

کیوں دل کو تڑپ ہے آٹھ پہر کیوں چپکے چپکے روتا ہے
کچھ سچ تو بتا اے بخت سیہ اب ہجر کی شب کیا ہوتا ہے

ہے مرگ عدو کا غم کس کو ہے جام و سبو کا غم کس کو
رونا ہے مجھے یہ آٹھ پہر کیوں غیر کا ان کو رونا ہے

وہ رشک چمن وہ غنچہ دہن کھلتے پھول سے جن کے نازک تن
اب بعد فنا اک عالم ہو، مٹی ہے لحد کا کونا ہے

پھر ہجر کی شب لب پہ ہے فغاں سینے میں کھٹک ہے دل میں خلش
آثار برے آتے ہیں نظر معلوم نہیں کیا ہوتا ہے
مر مر کے خلش ہو خاک بسر اور بعد فنا تم لو نہ خبر
جو حسرت ہے یہ حسرت ہے جو رونا ہے یہ رونا ہے

اس پہ کیوں مرتے ہیں کیوں اسکی تمنا دل میں ہے — بات کچھ کھلتی نہیں جو خنجر قاتل میں ہے
دور ساغر کی طرح گردش ہے اہل بزم کو — آپ سے باہر ہے وہ جو آپ کی محفل میں ہے
دیکھیے آکر یہاں رنگین پھولوں کی بہار — اک شگفتہ باغ ہے جو داغ میرے دل میں ہے
ناصح مشفق نصیحت اپنی رہنے دیجیے — عشق کا جوہر ازل سے میرے آب و گل میں ہے
ایک ہی صورت کو دو کرکے دکھا دیتا ہے یہ — جوہر آئینہ پنہاں خنجر قاتل میں ہے
غیر ہنستا ہے ادھر مجھکو لب جاں دیکھ کر — میں ادھر خوش ہوں کہ کشتی دامن ساحل میں ہے
ہوش کس کو ہے جو لے اٹھ کر قیامت کی خبر — دم بخود ہر اک عدم کی پہلی ہی منزل میں ہے
حشر میں ہم داد چاہیں وہ ان کے سامنے — رعب اتنا ہے کہ منہ کی منہ میں دل کی دل میں ہے
قبر میں آتے ہی روشن ہو گیا محشر کا حال — آخری منزل کا منظر پہلی ہی منزل میں ہے
چھپ نہیں سکتا چھپائے سے غبار آئینہ — صاف چہرے سے عیاں ہے جو تمہارے دل میں ہے
مل کے وہ کھنچتا ہے اور کھنچ کے ملتا ہے خلش — بڑھ کے قاتل سے یہ خوبی خنجر قاتل میں ہے

خلش نے اپنے پسر کا مرثیہ کہا تھا جو رسالہ تاج مئی ۱۹۲۲ء میں شایع ہوا تھا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

غم پسر

اس سے پہلے نہ کبھی مورد آزار تھے ہم — واقف رنج و مصیبت نہیں زنہار تھے ہم
دام صیاد الم میں نہ گرفتار تھے ہم — صرف اک محفل عشرت سے خبردار تھے ہم

یک بیک گردش تقدیر نے کروٹ بدلی
چھپ گیا مہر خوشی چھا گئی غم کی بدلی

صف ماتم ہے بچھی رو کے رلائیں کس کو — ہوک اٹھتی ہے کلیجے میں دکھائیں کس کو
حالت درد جگر آہ سنائیں کس کو — ہمنوا اپنی مصیبت میں بنائیں کس کو

دل کی راحت نہ رہی آنکھ کا تارا نہ رہا
زندگی کا جو سبب تھا وہ سہارا نہ رہا

دیکھ کر جس کو بہلتے تھے وہ صورت نہ رہی — جس سے آرام تھا قالب کو وہ راحت نہ رہی
مائل عیش و طرب اپنی طبیعت نہ رہی — مختصر یہ ہے کہ جاگی ہوئی قسمت نہ رہی

فلک عیش کا پر نور ستارا نہ رہا
پیار کرتے تھے جسے دل سے وہ پیارا نہ رہا

دل میں ہر ایک کے سچا تھی رسائی تیری — شکل آئینہ نمایاں تھی صفائی تیری
دل میں حسرت تھی کہ کھائیں گے کمائی تیری — کیا خبر تھی کہ رلائے گی جدائی تیری

ناز تھا جس پہ پدر کو وہ پدر سے چھوٹا
فلک حسن کا رخشندہ ستارا ٹوٹا

داغ اس سن میں دیا تم نے پدر کو بیٹا — کم سنی میں ہوئے آمادہ سفر کو بیٹا
کیوں شکستہ کیا والد کی کمر کو بیٹا — ڈھونڈنے جائیں کہیں آہ کدھر کو بیٹا

یہ نہ امید تھی تم سے کہ بچھڑ جاؤ گے
یہ نہ معلوم تھا برسوں ہمیں تڑپاؤ گے

ہر قدم پر سیکڑوں ٹکڑے ہمارے دل کے ہیں — ہاں ذرا اے رہروان کوئے جاناں دیکھ کر
عشق کا بندہ ہوں میں کچھ حسن کا شیدا نہیں — آنکھ چوروں پر نہ ڈالو سوئے جاناں دیکھ کر

ایک جلوہ نے کسی کے محو حیرت کر دیا — آئینہ میں بن گیا رخسار جاناں دیکھ کر
خضر بھی راہ عشق میں گم ہیں — کس سے پوچھوں نشان منزل کا
آئینہ آپ جس کو کہتے ہیں — ایک ٹکڑا ہے وہ مرے دل کا

(۱۱۴) رنگیں۔ بابو لشن نرائن لال ماتھر ابن بابو ہر نرائن لال ماتھر آنجہانی ساکن تارنی پرشاد لین پٹنہ ۱۹۰۶ء میں عظیم آباد میں پیدا ہوئے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں کافی تعلیم حاصل کی ہے۔ شعر گوئی کا مذاق فطری ہے۔ سن شعور سے اب تک مشق سخن جاری ہے۔ اکثر مشاعروں میں آپ کا کلام بہت مقبول ہوا ہے۔ راقم کے ملاقاتیوں میں ہیں۔ اٹھائیس سال سے محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سٹی میں اسسٹنٹ ماسٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل غزل تذکرہ کے لیے لکھکر عنایت کی ہے۔

رنگیں شفق سے جیب جو ہے جوئبار کا — دامن لٹک رہا ہے عروس بہار کا
شہرہ ہے آمد آمد فصل بہار کا — ہر نخل منتظر ہے نئے برگ و بار کا
آئی بہار چار طرف آگ سی لگی — ہر لالہ زار آئینہ ہے شعلہ زار کا
ہے دام صید امید میں بلبل کا دل اسیر — آیا ہے گلستاں میں زمانہ بہار کا
محفل میں فیض ساقئ عادل کا عام ہے — پیمانہ بے شراب ہے کس بادہ خوار کا
سائے جہاں میں آج جو مشہور آج ہیں — احساں کہیں نہ بھولے ایسی خاکسار کا
دنیائے رنگ و بو میں بسر زندگی ہوئی — میں آشنا ہوں راز خزان و بہار کا
شاخ مراد جس کی نہ پھولے پھلے کبھی — وہ نخل تم ہوں میں چمن روزگار کا
کانٹے جو پاسباں ہیں گل مطمئن نہ ہو — گلچیں کے دل میں خوف نہیں نوک خار کا

اس گل کو فکر کیا مرے حال خراب کی دن رات جو ہے مست خود اپنی بہار کا

اے نازنیں جو آٹھ پہر مست ناز ہے کچھ حال غم بھی سن دل حسرت شعار کا

دن کو سکون نصیب نہ شب کو نصیب چین رنگینؔ نہ پوچھ حال دل سوگوار کا

رنگینؔ نے اپنے حالات اور غزل ۱۹۵۸ء میں راقم کو لکھکر دی تھی اس کے کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

(۱۱۵) ہوشؔ۔ بابو کامتا پرشاد خلف منشی گلاب لال۔ ساکن موضع بیری دسیب ڈویژن نواوہ) ضلع گیا۔ ان کے والد اردو اور فارسی کے دلدادہ تھے۔ سابق زمانہ میں بھی ان کا خاندان علم و ادب کی بدولت اس علاقہ میں ممتاز تھا۔ ہوشؔ ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے بچپن میں ان کے والد نے ان کو ایک گروجی کے پاٹھ شالے میں بٹھا دیا لیکن تھوڑی مدت کے بعد ان کو اپنے ایک قرابت مند منشی چکردھر پرشاد صاحب کے سپرد کیا انہوں نے ان کا مکتب کیا اور اردو کی تعلیم شروع کرائی لیکن ان کے والد ایک لائق معلم کی تلاش میں تھے اتفاق سے ان کو مولوی شیخ تصدق حسین صاحب مل گئے جو ہندی، اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ سابق میں مولوی صاحب موصوف کہیں اسٹیشن ماسٹر تھے لیکن نوکری سے مستعفی ہو کر درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا تھا منشی گلاب لال صاحب کے مکان پر رہکر انہوں نے ہوشؔ اور ان کے چار قرابت مند لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا اور ۱۹۲۷ء تک ہوشؔ نے انہیں سے اردو، فارسی اور انگریزی پڑھی۔ مولوی صاحب شاعر بھی تھے اسلئے ان کی صحبت میں کم سنی ہی سے ہوشؔ کا فطری ذوق شاعری ابھرنے لگا۔ ۱۹۲۷ء میں ہوشؔ نوادہ ہائی اسکول

میں داخل کئے گئے اور یہاں بھی اتفاق سے ایک مولوی صاحب بھی جو شعر و شاعری سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ہوش نے کانگریسی تحریک سے متاثر ہو کر سلسلہ تعلیم کو خیرباد کہا اور کانگریسی تحریکوں میں پیش پیش رہنے لگے۔ چند بار قانون شکنی میں پیش رو ہو کر گرفتار بھی ہوئے اور ہڑتال کرانے کے جرم میں اسکول سے نکال دے گئے۔ اب یہ جنگ آزادی میں اپنے ہم سنوں کی رہبری کرنے لگے اور کانگریسی لیڈروں میں بے حد ہر دل عزیز ہو گئے۔ انکی بے باکی اور دلیری کو دیکھ کر سری انوگرہ نرائن سنگھ اور دوسرے لیڈروں نے ان کو گلے سے لگا کر اور بھی ہمت افزائی کی۔ بہرکیف انہوں نے اسی طرح کچھ دن گزارنے کے بعد سنہ ۱۹۳۶ء میں میٹرک پاس کیا لیکن اس وقت ان کے والد ضعیف ہونے کے سبب ملازمت چھوڑ بیٹھے اسلئے کالج کی تعلیم جاری نہ رہ سکی۔ سنہ ۱۹۳۷ء سے ہوش نے ملازمت شروع کی پہلے مان بھوم میں ایک مڈل اسکول کے ہڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد انوگرہ بابو (وزیر مالیات بہار) کی مدد سے ٹاٹا کمپنی میں ملازم ہو گئے جہاں اس وقت تک برسر کار ہیں۔ قابل ذکر یہ بات ہے کہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا شاعری کا مشغلہ برابر جاری رکھا۔ جمشید پور کی ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے اور مشاعروں میں ہمیشہ شرکت کرتے رہے۔ موسیقیت اور ترنم کے سبب ان کا کلام اکثر بہت مقبول رہا اور صوبہ بہار کے بعض شہروں میں مشاعروں کے موقع پر اکثر اپنا کلام سنانے کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ رسالہ سہیل گیا میں بھی ان کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ تک انجمن ترقی پسند مصنفین کے کارکنوں میں بھی شامل رہے۔ انہوں نے جمشید پور میں اپنی

تحریک اور سعی سے بھی شاعری کی انجمنیں قایم کی تھیں راقم کے پاس انہوں نے اپنے مفصل حالات اور کلام اس تذکرہ کے لئے بھیجے ہیں حالات کا ملخص اوپر درج ہوا کلام کا انتخاب یہ ہے۔

رباعی

بس خونِ جگر روز پئے جاتا ہوں
لے لے کے ترا نام جئے جاتا ہوں
غافل ہوں مگر منزلِ مقصود کو کوشش
گر پڑ کے بھی نزدیک کئے جاتا ہوں
ہردم کوئی تصویر لئے پھرتا ہوں
ہر گام پہ تقدیر لئے پھرتا ہوں
کیوں تو ورنہ بچاؤں میں تدبیر سے ہوش
پیروں میں جو زنجیر لئے پھرتا ہوں

غزل

مری شاعری مری زندگی مری بزم شعر و سخن میں آ
مری بیکلی کی بہار بن مرے اجڑے دل کے چمن میں آ

مری رات کی ہے تو چاندنی مرے دن کی تو ہی تو دھوپ ہے
مرے دل کا تو ہی ہے آسرا مری سانس کی تو تھکن میں آ

مری راہ میں ہیں مصیبتیں مری منزلوں پہ نگاہ ہے
مری الجھنوں کو سنوار دے مرے زخم دل کی جلن میں آ

ابھی دلدلوں میں سماج ہے ابھی ظالموں ہی کا راج ہے
میں تو رنج و غم کا شکار ہوں مری ہمتوں کی شکن میں آ

مرے لب پہ آج بھی مہر ہے مرا دل تو اب بھی غلام ہے
مری خامشی کی زبان بن مرے جوش دل کی لگن میں آ

ہے عدوئے جاں مرا آسماں یہ زمیں بھی مجھ سے خلاف ہے

مری بدلیوں کو تو چیر دے نیا چاند بن کے گگن میں آ

جو غریب دل کو بڑھا سکے جو گھمنڈ سر کو جھکا سکے
مری آرزو کے نصیب بن مری لیکھنی کے تو فن میں آ

مرے ناو کوں[1] کی ہیں نیتیں مری بحر غم میں وفات ہو
مری ناو موج میں تھام لے مرے ساحلوں کے پھبن میں آ

مری تربت میں نہ دم رہا مری حسرتوں میں نہ جان ہے
مرے ہوش کا تو چراغ بن مری روشنی کی کرن میں آ

گیت

جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

جھوم رہی ہے ڈالی ڈالی کلیوں میں اک جوش بھرا ہے
مست پرندے ناچ رہے ہیں آج قفس کا در کھلا ہے
چلتی ہے اب باد بہاری
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

منہ اترا ہے زرداروں کا محلوں میں اک شور مچا ہے
ظلمت خوف سے کانپ رہی ہے ایک نیا سورج نکلا ہے
ہوش میں آئے ہیں نر ناری
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

ہر شے آنکھیں کھول چکی ہے دیکھ رہی ہے لال سویرا
اب نہ رہیگا اندھیاروں کا بھارت میں ہر گام پہ ڈیرا

[1] بمعنی ملاح یا ناخدا

غم کی دور ہوئی اندھیاری
جاگ اُٹھی ہے جنتا ساری
ڈر ڈر کر ہم سانس نہ لیں گے   بھوک کی جوالا اب نہ سہیں گے
ننگے پن کو دور کریں گے   اب نہ زمیں پر مون رہیں گے
اب نہ رہے گا کوئی بھکاری
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری
مذہب کے اک ساز پہ کوئی   گیت نہ نفرت کے گائے گا
اب نہ ستا کر معصوموں کو   عید کا جھنڈا لہرائے گا
ہر دل ہے اب کرشن مراری
جاگ اُٹھی ہے جنتا ساری
سچائی پرکھی جائے گی   دم نہ گھٹے گا فن کاروں کا
شان بڑھے گی مزدوروں کی   مان بڑھے گا ہل والوں کا
مٹ جائے گی ہر دشواری
جاگ اُٹھی ہے جنتا ساری
بیچ بھنور میں ساحل آگر   وقت کی کشتی جھوم رہا ہے
موجیں ساری ناچ رہی ہیں   جیون جیون جھوم رہا ہے
آئی ہے مظلوم کی باری
جاگ اٹھی ہے جنتا ساری

پیغام جوش

ہوش نے لکھا ہے کہ ایک ملاقات میں جوش ملیح آبادی نے

ان کو یہ شعر سنایا تھا۔

بہار میں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے   جو مرد ہے تو خزاں میں بہار پیدا کر

ہوش نے اسی کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ اشعار موزوں کیئے ہیں۔

سمجھو نگا زندگی بھی ہوئی ہوش کارگر   گر میں وطن کو ہوش میں لا کر چلا گیا

قطعہ

میں نے جنتا سے لو لگائی ہے   اپنے جینے کی راہ پائی ہے

کوئی لوٹے نہ اس خزانہ کو   زندگی کی یہی کمائی ہے

(۱۱۶) اثر — بابو امرناتھ صاحب خلف لالہ ملکھی رام صابر۔ آبائی وطن قصبہ رائے کوٹ ضلع لودھیانہ صوبہ پنجاب ہے لیکن ایک عرصے سے قصبہ صاحبگنج (صوبہ بہار) میں سکونت پذیر ہیں اور یہیں محکمہ ریلوے میں ملازم ہیں۔ ان کے والد صابر صاحب اردو کے مشہور شاعر تھے اور ان کے بڑے بھائی یعنی اثر صاحب کے چچا لالہ ارجن داس خوشدل اردو اور فارسی کے عالم تھے اور دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اس طور پر اثر صاحب نے ذوق شاعری وارثتاً پایا ہے۔

اثر سنہ ۱۹۱۱ء میں رائے کوٹ میں پیدا ہوئے۔ کم سنی سے شعر گوئی اور مضمون نگاری کا شوق تھا۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ان کی کئی قومی نظمیں لاہور کے اخباروں میں شایع ہوئی تھیں اور اسی سال یہ خود لاہور کے ایک ہفتہ واری اخبار "اتفاق" کے اڈیٹر بھی تھے

اثر صاحب علم دوست اور خلیق ہیں۔ راقم سے غائبانہ ربط و اخلاص رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنا کلام اس تذکرہ کے لئے بھیجا ہے۔ وہ بجنسہ نقل کیا جاتا ہے۔

کلام امرناتھ اثر

تری صورت کہ معصوم و حسیں معلوم ہوتی ہے
مجھے غارت گر ایمان و دیں معلوم ہوتی ہے

محبت پھولتی پھلتی نہیں معلوم ہوتی ہے
یہ جلوہ گاہ دل بنجر زمیں معلوم ہوتی ہے

تصور جب تمہارے گیسوئے پرخم کا آتا ہے
محبت ایک مار آستیں معلوم ہوتی ہے

تمہاری بیوفائی ہو گئی ہے نقش دل جب سے
تمہاری ہاں بھی اے ظالم نہیں معلوم ہوتی ہے

محبت ہے فریب حسن ہی کا نام دنیا میں
تمہاری آن تاصح و دلنشیں معلوم ہوتی ہے

اڑا کر لے گئی ہے ہائے جو صبر و سکوں جیسے
تمہاری ہی نگاہ دلنشیں معلوم ہوتی ہے

تمہارے خانۂ دل سے کبھی باہر نہیں جاتی
تمہاری یاد بھی پردہ نشیں معلوم ہوتی ہے

تمہارا ہی تصور ہے بہل جاتا ہے جی جس سے
دگرنہ زندگی اندوہگیں معلوم ہوتی ہے

تمہارے حسن رنگیں میں کشش ہی اور ہے ورنہ
مجھے ہر چیز دنیا کی حسیں معلوم ہوتی ہے

محبت کی ڈینگیں مارتے ہوئے جہاں والو
ذرا دل ڈھونڈ کر دیکھو کہیں معلوم ہوتی ہے

ملیں گے کیا اثر دیر و حرم مجھ مست و بیخود کو
مجھے تو راہ گھر کی بھی نہیں معلوم ہوتی ہے

(۲)

صحت نے تم کو خوب ابھارا ہے آجکل
واللہ کیا شباب تمہارا ہے آجکل

تیرا ستم وفا سے بھی پیارا ہے آجکل
دے زہر بھی مجھے تو گوارا ہے آجکل

دنیا کی راحتوں سے کنارا ہے آجکل
میں ہوں اور اک خیال تمہارا ہے آجکل

دل میں بسی ہوئی ہے کوئی صورت حسیں
شیشے میں اک پری کو اتارا ہے آجکل

دل جس میں میری آرزوؤں کی تھی بود و باش
ملکیت بتانِ خود آرا ہے آجکل

کچھ کچھ بچی کھچی سی امیدوں کے ساتھ ساتھ
غم نے بھی دل میں پیر پسارا ہے آجکل

تم کو اگر ہماری محبت سے عار ہے
ہم نے بھی اپنے نفس کو مارا ہے آجکل

تیرا اگر یہی ہے تغافل تو پھر بتا
تیرے بغیر کون ہمارا ہے آجکل

اے دل زمینِ عشق پہ رکھ پھونک کر قدم
دنیا کا ذرہ ذرہ شرارا ہے آجکل

دعوت کسی عزیز کی قسمت میں کب آئے
ہوٹل کی روٹیوں پہ گزارا ہے آجکل

(۳)

کدورت ہی تو صلح و آشتی سے کچھ نہیں ہوتا
عقیدت اٹھ گئی تو بندگی سے کچھ نہیں ہوتا

دلِ ناکام اگر ہمت وری سے کچھ نہیں ہوتا
تو پھر دن رات کی نوحہ گری سے کچھ نہیں ہوتا

دل آرائی نہیں ہو دل دہی سے کچھ نہیں ہوتا
وفائیں رو رہی ہیں آدمی سے کچھ نہیں ہوتا

جہاں والوں کے کچھ ناز و ستم بھی سہنے پڑتے ہیں
یہ دنیا ہے یہاں اپنی خوشی سے کچھ نہیں ہوتا

جہاں پر فیض حاصل ہو پڑا رہ بس اسی در پہ
دلِ وحشت زدہ آوارگی سے کچھ نہیں ہوتا

علاجِ کلفتِ دنیا مداوائے غمِ دوراں
خدا اگر دے تو کر دے آدمی سے کچھ نہیں ہوتا

نہ ہو غمگیں اثر اہلِ جہاں کی بے وفائی پر
مسرت سے بسر کر لے غمی سے کچھ نہیں ہوتا

(۴)

میں زندگی کے سہارے تلاش کرتا ہوں
تری نظر کے اشارے تلاش کرتا ہوں

نہ گر پڑے ہوں تجاہل سے دیکھ کر تجھکو
زمیں پہ چاند ستارے تلاش کرتا ہوں

کنارہ جو ہو شب مہ ہو تو ہو اور میں ہوں
وہ دلفریب نظارے تلاش کرتا ہوں

نجانے کون سے گوشے میں پڑے ہوں گے
ترے فراق کے مارے تلاش کرتا ہوں

وہ شوق دل ہو تجھے عجز و انکسار کیساتھ
حضور کہہ کے پکارے تلاش کرتا ہوں

دل حزیں جو کبھی غمگسار رہتے تھے — کہاں ہیں دوست تمہارے تلاش کرتا ہوں
خدا ہی پار لگائے بیگانے آتز کر ہے اب — بھنور میں ناؤ کنارے تلاش کرتا ہوں

(۵)

غم الفت کو بھی محبوب جاں کہنا ہی پڑتا ہے — بساط داغ دل کو گلستاں کہنا ہی پڑتا ہے
کسی بے مہر کو جب مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے — تو دل کا قتل ہے اور الاماں کہنا ہی پڑتا ہے
مقدر کی خرابی ہو کہ ہمت کی ہو ناکامی — بہر صورت جفائے آسماں کہنا ہی پڑتا ہے
نگاہ یار تو نے راز دل کے کہہ دیے کیا کیا — تری چشمک کو انداز بیاں کہنا ہی پڑتا ہے
سوال دوست پر اندیشۂ ترک محبت سے — نہیں کہنے کی حالت میں بھی ہاں کہنا ہی پڑتا ہے
مری تقدیر تجھ پر منحصر ٹھہری تو پھر تجھ کو — خدا اک اور زیر آسماں کہنا ہی پڑتا ہے
محبت سو حزن ہے اور امنگوں میں تلاطم ہے — ہمارے دل کو بحر بیکراں کہنا ہی پڑتا ہے
دیا پیام تک تیری رسائی ہے جو ناممکن — اسے دل تیری مرگ ناگہاں کہنا ہی پڑتا ہے
اثر اس عرصہ گاہ عشق میں دیکھے ہیں تیرے جوہر — ضعیفی میں تجھے آخر جواں کہنا ہی پڑتا ہے

(۶)

معدوم ہوئے جاتے ہیں اب تاب و تواں اور — کچھ گل نہ کھلا دے کہیں یہ درد نہاں اور
گھل گھل کے ترے غم میں ہوا جی کا زیاں اور — جب تو ہی نہ پوچھے تو بھلا جاؤں کہاں اور
ہے دل کی زباں اور دہن کی ہے زباں اور — پھر تو ہی بتا کیوں نہ بڑھے میرا گماں اور
یوں تو ہیں زمانے میں بہت تجھ سے جواں اور — جو شان تجمل ہے تری ہے وہ کہاں اور
اے صبر تجھے صبر پڑے میری فغاں کا — کچھ روز تو رہنے دے مجھے محو فغاں اور
دل گردش ایام سے پس پس کے ہوا خاک — اب خاک اڑاتے ہو اڑا دو مری جاں اور
شاکر ہے ترا بزم میں گھر پر ترا شاکی — ہے فطرت دل خوئے ہاں اور یہاں اور

ہم جنت واعظ کی حقیقت سے ہیں منکر — مل جائے اگر تیرے محلّے میں مکاں اور

اس دورِ ضعیفی میں اثر لاج بچانا — یہ اور زمانہ ہے یہ دن اور میاں اور

(۷)

رات یادِ بتِ بے پیر بہت خوب رہی — دردِ دل تھم گیا اکسیر بہت خوب رہی

داغہائے غمِ الفت ترے کرم سے دل میں — رونقِ گلشنِ کشمیر بہت خوب رہی

میں بھی جیتا رہا دنیا میں بہ امیدِ کرم — اک اندھیرے میں یہ تنویر بہت خوب رہی

موت آئی تو غمِ دہر سے جاں بھی چھوٹی — خوابِ ہستی کی یہ تعبیر بہت خوب رہی

ناصحا ثبت ہے دل پہ تری باتوں کا فریب — پائے مجنوں کو یہ زنجیر بہت خوب رہی

شغلِ احباب ہا کعبۂ دل کی تخریب — مجھکو اک حسرتِ تعمیر بہت خوب رہی

چپکے چپکے ہوئیں باتیں بھی زبانیں بھی نصیب — شکریہ آپ کی تصویر بہت خوب رہی

وہ ترا طرزِ تکلم وہ ترا جوشِ اثر — سرِ محفل تری تقریر بہت خوب رہی

تضمین بر غزلِ غالب

چارہ سازی کو مسیحائے زماں آئیں گے کیا — شدتِ دردِ الم سے ہم شفا پائیں گے کیا

اقربا ہر دلِ مضطر کو بہلائیں گے کیا — دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا

زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

ہم جئیں گے اس طرح مایوس رہ کر کب تلک — غم اٹھاتی ہی رہے گی جانِ مضطر کب تلک

آپ کی نظرِ کرم ہوگی نہ ہم پر کب تلک — بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک

ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا

کیا مناسب ہے تری تقسیم اللہ واہ واہ — دل دیا اک، غم ہزار، دل کس طرح ہوگا نباہ

بس چکی ہے اب تو رگ رگ میں محبت و چاہ — حضرتِ ناصح گر آویں دیدہ و دل فرشِ راہ

کوئی تجکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھا ئینگے کیا

عرصہ گاہ عشق میں جانباز کہلاتا ہوں میں
دیکھ لو کس کس تکبر سے چلا آتا ہوں میں
کون کہتا ہے کہ مرجانے سے گھبراتا ہوں میں
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا

ہو زبان خلق پر گر اپنا چرچا یوں سہی
ہم محبت میں ہیں سوائے زمانا یوں سہی
ہو گئی ہم سے اگر برگشتہ دنیا یوں سہی
گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی

یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

آسیائے آسمان پیر سے بھاگیں گے کیوں
بس رہی گردش تقدیر سے بھاگیں گے کیوں
جاں بکف ہو کر تفنگ و تیر سے بھاگیں گے کیوں
خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں

ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبرائینگے کیا

لخت دل کھا کھا کے ہم نے پائی اک لذت اسد
خون جگر کا پی چکے ہم جان کر شربت اسد
اپنے رو دیوار کو بھی ہم سے ہے نفرت اسد
ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسد

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا

(۱۱۷) زیبا۔ لالہ رام جی متوطن گیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے قریب شعر گوئی شروع کی اور مشاعروں میں غزلیں پڑھیں نمونہ کلام یہ ہے۔

کس کی الفت کی ہے کشش دل میں
سوز غم سے جو ہے تپش دل میں

(۱۱۸) ناشاد۔ رام پرشاد کھوسلا خلف رائے صاحب سالگرام۔ آبائی وطن مقام راہوں ضلع جالندھر صوبہ پنجاب تھا لیکن انھوں نے زندگی کا بیشتر حصہ صوبہ بہار میں گزارا اور یہیں کے ہو رہے تھے اور ان کے صاحبزادے کرشن کمار کھوسلا صاحب نے بھی صوبہ بہار میں سکونت اختیار کر لی ہے اور

اپنے والد مرحوم کے کلام کا مجموعہ طبع کرایا ہے جو ڈاکٹر سید محمود صاحب کی تقریظ اور پروفیسر عبد المنان بیدل کے مقدمہ کے ساتھ شایع ہوا ہے۔ ناشاد اردو کے ان شعرا میں تھے جن پر ہندوستان بہت کچھ فخر کر سکتا ہے۔ آپ بڑے ذی علم صوفی منش شاعر تھے۔ ۱۸۸۱ء میں راہوں ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے سنہ ۱۹۰۳ء میں لاہور کے گورنمنٹ کالج سے انگریزی زبان و ادب میں ڈگری حاصل کی اور یونیورسٹی کے تمام طلبا میں اول رہے کچھ عرصہ کے بعد لاہور کالج میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں آکسفورڈ جا کر فن تاریخ کی تکمیل کی اور ہندوستان واپس آکر لاہور کے سناتن دھرم کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حکومت نے ان کو ایجوکیشنل سروس میں لے لیا اور ریونشا کالج کٹک میں پروفیسر مقرر کیا اس وقت اڑیسہ صوبہ بہار میں شامل تھا گورنمنٹ نے سنہ ۱۹۱۷ء میں کٹک سے تبدیل کر کے جی بی کالج مظفر پور میں پہلے نائب پرنسپل پھر پرنسپل کے عہدہ پر بحال کیا پھر سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۳۳ء تک ٹی۔ان۔جے کالج بھاگلپور کے پرنسپل رہے لیکن اس کے بعد دوسرے سال پٹنہ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ لیکن ان کو مظفر پور کا ماحول بہت مرغوب تھا اسلئے ایک سال کے بعد پھر مظفر پور واپس گئے۔ تاریخ میں ان کی تصنیف "سلاطین دودمان مغلیہ" ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔ ملازمت ہی کے زمانہ میں گورنمنٹ کی اجازت لیکر انہوں نے دوبارہ انگلینڈ کا سفر کیا اول سنہ ۱۹۱۸ء میں مہاراجہ پٹیالہ کے پرائیوٹ سکریٹری کی حیثیت سے وار کانفرنس میں شرکت کی اور پھر سنہ ۱۹۲۶ء میں مہاراجہ الور کے پرائیوٹ سکریٹری ہو کر انگلینڈ کی سیر کی۔

خوش حالی اور تمول کے باوجود ناشاد فقیر دل شخصیت رکھتے تھے۔ غریبوں سے خاص انس اور ہمدردی رکھتے تھے اور حاجت مندوں کی حاجت روائی فراخ دلی سے کرتے تھے۔ ۱۴ / جون سنہ ۱۹۴۲ء کو قلبی عارضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ مطبوعہ مجموعہ کلام موسوم بہ نالہ ناشاد میں ان کی ۱۵۴ نظمیں ہیں۔ ہر ایک سے ان کا صوفیانہ پن نمایاں ہے بطور نمونہ ان کی نظم نیا عبادت خانہ اس جگہ نقل کی جاتی ہے۔

نیا عبادت خانہ

ملکر بنائیں ایسا اک خانۂ عبادت
مندر نما ہو لیکن مسجد کی طرز کا ہو

مرلی کی دھن چھڑی ہو آوازہ ہو آذاں کی
چرچا پجاریوں میں قرآن و وید کا ہو

اک جام میں پڑا ہو تھوڑا سا آب زمزم
اس آب میں ذرا سا گنگا کا جل ملا ہو

پی پی کے جام الفت وہ بیخودی ہو طاری
ہر ایک کی زباں پر وحدت کا تذکرہ ہو

اپنے صنم کدہ میں بت ہوں نئی طرح کے
جن کے لبوں پہ ہر دم توحید کی صدا ہو

آپس کا بیر چھوڑیں باز آئیں دشمنی سے
یہ ہو نثار دل سے وہ جان سے فدا ہو

دھو دھو کے ہم مٹا دیں آب یگانگی سے
گر لوح دل پہ اپنے حرف دوئی لکھا ہو

مذہب ہو اپنا ایسا جس سے ہر ایک دل میں
عزت ہو دیوتا کی تعظیم انبیا ہو

مٹ جائے کفر و دیں کا جھگڑا جہاں سے یارب
ناشاد کی زباں پر ہر وقت یہ دعا ہو

دورِ حاضر

(۱۱۹) گلو آرا ۔ بابو ایشور پرشاد ایڈوکیٹ ڈپٹی میئر و مجسٹریٹ فرسٹ کلاس ۔ عظیم آباد کے ہر دل عزیز رئیس اور دورِ حاضر کے خوشگو شعرا میں ہیں ۔ اردو زبان اور شاعری سے خاص شغف رکھتے ہیں رسالہ یارانِ میکدہ مرتبہ محمود علی خاں صاحب صبا میں مجھے ان کے خود نوشتہ حالات اور غزلیں مل گئیں اسلئے انہیں کو بجنسہ اس مقام پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوا چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"یارانِ میکدہ کے مرتب جو مرے بچپنے کے ساتھی اور دوست ہیں ان کا اصرار ہے کہ میں اپنے سوانح حیات مختصر الفاظ میں لکھکر اشاعت کے لئے دوں ۔ ان کے اصرار میں اتنا گہرا خلوص ہے کہ میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا ۔ یہ چند سطریں ان کے حکم کی تعمیل میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ۔ شاید ان میں میری حیات کے کچھ نقوش نظر آئیں ۔"

" میں اپنے جدی مکان گلو آرا ہاؤس واقع محلہ مچھرہٹہ پٹنہ سیٹی میں ۱۲ مارچ ۱۹۰۹ء کو پیدا ہوا ۔ میرے بابوجی سری بشنو ناتھ پرشاد عرف بسو بابو آنجہانی ایک کامیاب تاجر تھے مگر زمانہ کی رفتار کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مجکو انگریزی تعلیم دینا ہی مناسب سمجھا ۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ سیٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد بابوجی کی دلی خواہش کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے بی ۔ اے اور

وکالت کی ڈگریاں بھی حاصل کیں اور ۱۹۳۱ء میں پٹنہ ڈسٹرکٹ بار میں وکالت شروع کر دی۔ بابوجی کی ضعیفی اور علالت کی وجہ کر مجھکو پھر اپنے آبائی پیشہ تجارت کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور اس وقت ذریعہ معاش تجارت ہی ہے۔ پبلک کی سیوا کرنے کا جذبہ جو میرے دل میں تھا اس کو بروئے کار لانے کا موقع بھی مجھکو مل گیا۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں پہلی بار پٹنہ سٹی میونسپلٹی کا کمشنر منتخب ہوا اور ۱۹۴۲ء کے عام انتخاب میں بلامقابلہ میونسپل کمشنر منتخب ہوا۔ اسی سال حکومت نے مجھکو آنریری مجسٹریٹ نامزد کیا اور آج تک اس عہدہ پر بحیثیت فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کام کر رہا ہوں۔ ۱۹۵۴ء میں جب پٹنہ میونسپل کارپوریشن کا پہلا انتخاب ہوا تو میں اپنے حلقہ وارڈ نمبر ۲۳ سے عام انتخاب کے ذریعہ کانسلر منتخب ہوا۔ ۱۹۵۵ء میں کارپوریشن کا پہلا ڈپٹی میئر مقرر ہوا اور تین سال سے برابر ڈپٹی میئر منتخب ہوتا چلا آرہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں مختلف شہری اور صوبائی اداروں کا وقتاً فوقتاً عہدہ دار بھی رہا ہوں۔

"میرے گھر والوں کی زبان عرصہ سے اردو ہے اور میں نے بھی اردو مضمون لیکر بی۔ اے کا امتحان پاس کیا ہے۔ اردو دیس کی ایک بڑی پیاری اور میٹھی زبان ہے۔ بولنے میں مزے دار، سننے میں خوشگوار اور سمجھنے میں آسان ہے۔ اس کی شاعری میں جو لطف ہے وہ میں نے کسی اور زبان میں نہیں پایا ہے۔ میرا خیال صرف زبانی یا جذباتی نہیں بلکہ میرے دل کا صحیح ترجمان ہے۔ چنانچہ جب کبھی ترنگ اٹھتی ہے تو کچھ شعر کہہ لیتا ہوں اور دوستوں کے اصرار پر مشاعروں میں پڑھ لیتا ہوں۔

رامیشور پرشاد گلزار

غزل

تم رنگ دیکھنا دلِ دیوانہ وار کا
بس منتظر ہوں آمدِ فصلِ بہار کا

مجھ سے قفس نصیب کو کیا کام اے ندیم
موسم خزاں کا ہو کہ زمانہ بہار کا

جلتے ہیں اور بجھتے ہیں امید کے دیئے
یہ واقعہ ہے میری شبِ انتظار کا

عجلت یہ ہے کہ پشت ہوا پر سوار ہے
کس کی تلاش میں ہے مسافر غبار کا

مجھ سے گدا کے واسطے دامن بچھا دیا
احسان ہے یہ سایۂ دیوارِ یار کا

اس سے بدر جہا تھی غنیمت خزاں کی فصل
جیسا گذر رہا ہے زمانہ بہار کا

گوارا کوئی لاکھ جفائیں کیا کرے
دامن چھٹے نہ ہاتھ سے صبر و قرار کا

غزل

زمیں بھی مجھ سے خفا ہے خوش آسماں بھی نہیں
مرے لئے تو کہیں گوشۂ اماں بھی نہیں

خدا برا کرے وحشت کا دشت ہو کہ چمن
قرارِ دل کو یہاں بھی نہیں وہاں بھی نہیں

کچل دی آ کے پتے جنسِ وفا یہ انہ ہوا
اب اس جہاں میں کوئی اس کا قدرداں بھی نہیں

یہ کیا ہے پھر جو دو رنگی نہیں زمانہ کی
کہ فصلِ گل بھی نہیں موسمِ خزاں بھی نہیں

اسی پہ کیوں ہے نظر برق کی خدا جانے
بہت بلند مری شاخِ آشیاں بھی نہیں

جنونِ عشق میں سب کچھ بھلا دیا ناصح

بس انتہا ہے کہ یاد اپنی داستاں بھی نہیں
رہِ خلوص سے باز آؤں کیوں میں گلوآرا
مجھے کچھ اس میں تو اندیشۂ زیاں بھی نہیں

بخشیں نہ پھر ہم آپ کو شکوہ اگر کریں — پہلا ہے یہ قصور بس اب درگذر کریں
ناصح تو ناشناسِ محبت ہے کچھ نہ پوچھ — کیونکر بیان لذتِ دردِ جگر کریں
الفت تو ایک جذبۂ فطری کا نام ہے — پھر عیب کیا چھپائے رہیں مشتہر کریں
منزل کی جستجو میں یہ جذبہ بھی ہے شریک — کانٹوں سے پاک و صاف تری رہگذر کریں
اس دور میں ہو کیا نگہِ جوہری کی قدر — طے جس میں کور قیمتِ لعل و گہر کریں
سو تجربوں پہ بھی یہ سمجھ میں نہ آسکا — کیوں اعتبارِ وعدۂ شام و سحر کریں
گلوآرا کچھ برا تو نہیں یہ ترا خیال — جو کام ہم کریں وہ سمجھ بوجھ کر کریں

مجھے ہے نالہ و آہ و فغاں سے کام ابھی — زبانِ شوق نہ لے خوش دلی کا نام ابھی
زبانِ شوق نے گو لاکھ اختصار کیا — مگر ادا نہ ہوا حاصلِ کلام ابھی
اٹھا وہ ابرِ سیہ میکدے سے جا واعظ — کہ رند کرتے ہیں تیرا کچھ احترام ابھی
مری حکایتِ دل سن کے وہ یہ کہتے ہیں — ہمیں تمہاری صداقت میں ہے کلام ابھی
بس آج ہو گئے ہم نازِ حسن کے قائل — کہ منتوں سے بھی نکلا نہ کوئی کام ابھی
جو کرنا چاہتے ہو کل وہ آج ہی کر لو — ضرورت آج ہو جس کی کرو وہ کام ابھی
بنانا دیش کو پھر رام راج گلوآرا — تم اپنے آئے ہوئے دل کو تو کرلو رام ابھی

زاہد نہیں کہ سجدۂ صد دانہ چاہیے — ہوں رند مجھکو نعرۂ مستانہ چاہیے
گل چاہیے نہ گلشن و ویرانہ چاہیے — رندوں کو ایک محفلِ رندانہ چاہیے
سجدے ہیں بے نیاز مرے سنگ و خشت سے — مجھکو تو روحِ کعبہ و بتخانہ چاہیے

گیا لطف اگر یہاں بھی رہے رسم امتیاز
ساقی سبھوں پہ دادِ میخانہ چاہیئے

دولت سمیٹ کر کوئی بنتا نہیں شریف
انساں کو رکھ رکھاؤ شریفانہ چاہیئے

کہتے ہیں وہ ہم آئیں جو پوری ہو ایک شرط
دل تیرا انتظار سے بیگانہ چاہیئے

شمعِ مراد تک نہیں کچھ دسترس محال
بازو میں طاقتِ پرِ پروانہ چاہیئے

کوئی جنوں نواز ہے کوئی خرد پسند
گلوار انجھ کو ان سے الجھنا نہ چاہیئے

(۱۲۱) رائے۔ رائے گوپال کرشن صاحب بی۔ اے رئیس عظیم آباد ساکن محلہ مینن گھاٹ۔ سنہ ولادت ۱۸۹۷ء ہے۔ راجہ خیالی رام کے ورثا میں ہیں۔ انگریزی میں فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ فارسی اور اردو بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ اردو شاعری کا شوق سن شعور سے ہے سیاسی اور سماجی تحریکوں سے بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ ابتدا میں شاید کچھ کلام میر محمد باقر۔ باقر عظیم آبادی تلمیذ حضرت وحید الہ آبادی کو بھی دکھایا تھا لیکن شاعری میں باقاعدہ اصلاح سخن نہیں لی۔ ۱۹۵۷ء میں انہوں نے اپنا کلام کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے جس کا نام مومنٹس ود رائے گوپال کرشنا ہے MOMENTS WITH RAI GOPAL KRISHNA یہ کتاب انگریزی اور ہندی میں ہے۔ ابتدا میں ان کی تصویر ہے۔ اس کے بعد انگریزی میں انتساب، مقدمہ کتاب اور آزاد ہند کو خراج عقیدت اور مہاتما گاندھی کی موت پر اظہار تاسف کے مضامین کے بعد دنیا کی بے ثباتی اور بے اعتباری کے متعلق میر انیس کے مراثی کے کچھ بند اور اسی طرح دوسرے مشاہیر شعرا کے مختلف اشعار جن میں فارسی اشعار سعدی شیرازی کے بھی ہیں ہندی یعنی دیوناگری

رسم الخط میں شایع کیا ہے اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ بعد میں خود اپنا اردو کلام بھی دیوناگری حروف میں درج کیا ہے اور آخر میں اپنے بعض خطوط جو انہوں نے مسز اسٹافورڈ کرلیس اور ارتھر مور وغیرہ کو لکھے تھے اور ان میں ان انگریزوں کے انگریزی زبان غلط بولنے اور لکھنے پر اعتراض کئے تھے اور ان کے جوابات درج کئے ہیں اور ان کے علاوہ بعض خطوط اور بھی ہیں۔

بہرکیف بہار میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے فارسی اور اردو کلام کو دیوناگری میں شایع کیا ہے۔ یہ کس جذبہ کے تحت ہے راقم کو معلوم نہیں لیکن اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے انگریزی تراجم ان کے اردو بندشوں سے بہتر ہیں۔ مصنف نے بقول خود مشرقی خیالات کو گلدستہ کی صورت میں اہل مغرب کے سامنے پیش کیا ہے۔ لیکن اگر ساری کتاب انگریزی میں ہوتی تو اہل مغرب کے مطالعہ کے لئے مناسب ہوتی کیونکہ اہل مغرب ہندی رسم الخط سے کمتر واقف ہیں۔ ان کا کلام جو ہندی رسم الخط میں ہے بطور نمونہ اردو رسم الخط میں درج کیا جاتا ہے۔

صفحہ ۲۵ ابتسا لڑائی

چکبست کے طرز پر

جتھا باندھے ہوئے جرار وطن جاتے ہیں
کچھ نئی شان سے جاں باز کہن جاتے ہیں
ہم نہ ماریں گے کبھی کر کے یہ رن جاتے ہیں
بدلے تلوار کے وہ باندھے کفن جاتے ہیں

سامنے ان کے ظفر برہنہ پا پھرتی ہے
آہ مظلوموں میں بھی رائے عجب نکلتی ہے

انکی رگ رگ میں ہیں پہونچا کے سبق جنت کے چلن
رن کا میدان ہے ان کے لئے ماں کا دامن

عرصۂ جنگ کی موت ان کو ہے اک شب کی دلہن
مر کے تلوار سے حاصل ہو تو خلعت ہے کفن

رن کے میدان سے پسپا ہوں یہ ہے طور نہیں
مادر ہند کے بچے ہیں کوئی اور نہیں

ہاں دلیران وطن دھاک بٹھا کر آنا
طنطنہ دشمن خود بیں کا مٹا کر آنا

آپ سے بھی نہیں ڈرنے یہ جتا کر آنا
ندیاں خون کی تم اپنے بہا کر آنا

یہی گنگا ہے سپاہی کے نہانے کے لئے
ناو تلوار کی ہے پار لگانے کے لئے

جا بجا نصب بصد شان کئے قومی علم
اور حفاظت بھی کی ایسی کہ نہ ہونے دیا خم

واہ شاباش کی تم نے نہیں تا آخر دم
وار ان پر کیا گو تم پہ ہوئے جور و ستم

ایک سے ایک ہیں بڑھ چڑھ کے یہاں مردوں
نام ہے قوم کا ان کی ہی بدولت روشن

اسی سن میں کہ جوانی کا ہوا ہے آغاز
حل کیا تم نے تیاگ اور اہنسا کا راز

ظلم پہ ظلم سہے پر نہیں آئے تم باز
رہ گئے دنگ جنہیں ظلم و ستم پہ تھا ناز

جیتا ہے اپنے لئے وہ بتر از مردہ ہے
مرنا اوروں کی خاطر وہی بس زندہ ہے

سنہ ۱۹۳۴ء کا بھوکمپ

جب ہزار اور نہ صد سی و چہار سے پر
سنہ عیسوی کا پہونچا ہوا ہند منتظر

دو شنبہ تیرہ جنوری کو وقت سہ پہر
صوبہ میں زلزلے کی ہوا قہر ایشور

یوں ملتا تو اس میں ہے ہندوستان بھر
لیکن بہار ہو گیا مغضوب خاص کر

پٹنہ خدا گواہ کہ پٹنہ نہیں رہا
اس قہر ایزدی کا ہوا اس پہ وہ اثر

ترہٹ مونگیر میں تو ہوئے صاف گھر کے گھر
ایسے مٹے کہ مٹ گیا مٹنے کا آگے ڈر

ریلیں سڑک خراب ہوئیں پل بھی جا بجا
پانی کی کل بھی بجلی ٹیلیفون تار گھر

کیا لہلہاتے کھیت تہِ آب ہو گئے
پھیلی تمام ریت ہوئے خشک چاہِ تر

بچے، نساء رعیت پہ یوں دریائے آبدار
بن پانی مر گئے نہ ملا پانی بوند بھر

سن کر فسانہ ترائے کا جس کا نہ دل پھٹے
سینے میں اس کے دل نہیں ہے پارۂ حجر

غزل

مشاعرہ بتاریخ ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۵۰ء بدولت کدہ بابو اُمانتی سنہا صاحب

مصرعہ طرح۔ چمن کے ذرہ ذرہ کو شہید جستجو کر دے

تری ہی ڈھونڈھ ہو یارد جہاں میں ایسی خو کر دے
چمن کے ذرہ ذرہ کو شہید جستجو کر دے

زباں ایسی بنا دے ایسا طرز گفتگو کر دے
کہ ہر فرد بشر اب ترکِ ذکر من و تو کر دے

اگر تو چاک داماں اس کی پامالی کے باعث ہے
تو لازم سوزن مژگاں سے ہے اس کا رفو کر دے

میونسپل ایکٹ ہے تو کو کا ریپوریشن ایکٹ یوں سمجھو
کہ اس کا بس یہی مطلب ہے ہیں اڈبیش تو کر دے

اگر بیوی کی حاجت ہے فقط کھانا پکانے کو
تو بیوی کے عوض اللہ سب کو ایک کو کر دے

سیاسی زندگی میں گر تو خواہانِ ترقی ہے

ہوا بہتی ہو جس جانب اسی جانب کو رُخ کر دے

تمہیں چاہے تمہارے چاہنے والے کو بھی چاہئے
کہو کس طرح کوئی اپنے دل کو اُن سے دو کر دے

خدا محفوظ رکھے چتونوں سے ان حسینوں کی
عجب کیا جو نیا محشر نگاہِ ماہ رو کر دے

ڈرا کرتے ہیں فہمیدہ تلون سے زمانے کے
کبھی عزت یہ بخشے اور کبھی بے آبرو کر دے

بہت ہشیار اس پیر فلک کی چال بازی سے
یہ وہ موذی ہے جو بھائی کو بھائی کا عدو کر دے

کوئی بھی کار مشکل اس کی قدرت کے نہیں باہر
بس اک ادنیٰ کرشمہ ہے کہ قطرہ کو وہ جو کر دے

بمے سجادہ رنگیں کن چو ایں تو بیست حافظ را
چہ خوش بودے اگر تو از مئے گلگوں وضو کر دے

نہیں غیبت سے بڑھ کر کوئی خوئے بد بہ انساں میں
شکایت جس سے ہو آئے اس کے روبرو کر دے

مشاعرہ بتاریخ ۸ اگست سنہ ۱۹۵۴ء بمقام محمڈن اسکول

مصرعہ طرح ـــ شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

کعبہ نہ چاہیے نہ صنم خانہ چاہیے
ہم مے گسار ہیں ہمیں میخانہ چاہیے

بیکار جی کے صرفہ ہی اس کے لئے تو بس
شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

جھیلے مصیبتیں نہ کبھی اُف زباں پہ لائے
اس کے لئے تو ہمت مردانہ چاہیے

فیشن کا ہے تقاضا ہر اک سے یہ آجکل — نکٹائی کوٹ پینٹ و یکسانہ چاہیئے

دنیا کی کائنات سے رندوں کو کیا غرض — ان کو تو مے دینا و پیمانہ چاہیئے

دے دے زکات حسن کی اے بادشاہ حسن — آیا ہوں تیرے در پہ فقیرانہ چاہیئے

کیا پوچھتے ہو رائے سے ہوش و خرد کی بات — عاشق کو ہونا تیرے تو دیوانہ چاہیئے

راشٹرپتی راجندر پرشاد کے پرتی۔

عموماً ہند والے اور بہاری خاص کر ہیں شاد — کہ بیٹھے تخت دہلی پر ہمارے ڈاکٹر پرشاد

ہے انکو مرحبا صد مرحبا لاکھوں مبارکباد — ہٹا کر ہاتھ بھارت کو غلامی سے کیا آزاد

کیا وہ دانت کھٹا دشمن خود بین کا لڑنے میں — کہ بھولے گی قیامت تک کبھی اسکو نہ انکی یاد

ہوئی دنیا کے کونے کونے میں شہرت بلند انکی — چھتیس کے جو زلزلہ میں ان نے کی امداد

وہ منتر ان نے پھونکا دہر میں تیاگ و اہنسا کا — لرز جائے جو سن لے نام بھی اس کا ستم ایجاد

بہت ایثار کر کے ہے کیا امن و اماں قائم — مٹایا صفحہ ہستی سے نام جور و بیداد

چنے جاتے نہ کیوں یہ پریسیڈنٹ آف انڈیا دوبار — کہ یہ ثابت ہوئے ہیں سب سے اول ہند کی اولاد

یہی انکی تمنا ہے یہی ہے مدعا ان کا — نہ رہنے پائے بھارت میں کوئی بھی خستہ و ناشاد

یتیم و بیوہ کتنے ان کے ہیں مرہون منت کش — نہ جانے کتنی اجڑی بستیاں انہیں نے کیں آباد

نہ کیوں کہہ ہر کام ان کے ہمیشہ کامیابی ہو — کیا یا ان نے گاندھی جی کے ایسا باکمال استاد

جو سمجھا فرض تھا اپنا اسے اس نے کیا پورا — نہیں اس کے لئے ہے رائے ہرگز تو منت کا داد

کشمیر کی جھلک

جیوراج

ہے دلربا مہت جو جیوراج ہے — یہ جیوراجوں میں سرتاج ہے

نہ ہو کر و رانت سے ہیں دوٹ سے — یہ پہنے ہوئے پریم کا تاج ہے

بخشی سیاست

نام وزیر اعلیٰ سری بخشی غلام ہے — رکھنا پرجا کو شاد یہی ان کا کام ہے
سنتی ہے یاں پہ آئے امن و امان ہو — جب سے یہ آئے ایسا ہی یاں کا نظام ہے

اہل سری نگر

جو لوگ سری نگر کے ہیں بے حد خلیق ہیں — مہمان نواز ہیں سبھی لائق لئیق ہیں
رکھتے ہیں دوستی یہ ہر اک خاص و عام سے — ہیں پریم کی یہ مورتی غایت شفیق ہیں

کیسر کے کھیت و تیرتے کھیت

کھیت کیسر کے یہاں پر تو نسبے دیدن ہیں — لوگ کہتے ہیں کہ یہ باعث خندیدن ہیں
تیرتے کھیت بھی ہیں یاں پہ کئی پانی میں — کہہ سکے جن کو نہ محفوظ ز دیدن ہیں

ہاؤس بوٹس

ڈل اک جھیل ہے جہاں چلتا مکاں ہے — ہے ڈھنگ انوکھا اس کا نرالی شان ہے
راحت کے ان میں سامان مہیا ہیں سبھی راکل — تعریف ہاؤس بوٹس بیرون از بیان ہے

امیراکدل

امیراکدل ایک پل ہے یہاں — ہے جہلم ندی اس کے نیچے رواں
گردوارا سکھوں کا اک پاس ہے — اور بازار بھی ہے یہاں اک کلاں

چشمہ شاہی

چشمہ شاہی ہے نام اس کا — ہضم کرنا ہے کام اس کا
بادہ ہو گر نہیں میسر — پی لو بھر کر کے جام اس کا

نشاط باغ

تا ز سری نگر یہی باغ نشاط ہے — دیتا یہ خاص و عام کو انبساط ہے

تشبیہ دی جو مہروں سے حوران خلد کی | تو امن ہیں یہ ان کے لئے یہ بساط ہے

شالی مار

نور جہاں کا باغ یہی شالی مار ہے | تعمیر کی وجہ زن وشو کا پیار ہے
بادِ سموم کا نہیں ہوتا یہاں گذر | فصلِ خزاں میں بھی یہاں لطف بہار ہے

ہرون جھیل

یاں پہ اک جھیل کو موسوم بہ ہرون دیکھا | نیچے اک سوتا سا بہتا ہوا روشن دیکھا
مثل آئینہ کے شفاف تھا اس کا پانی | یا کہوں گو یا کہ بہتا ہوا درپن دیکھا

پہل گام

پہل گام سچ فخر کشمیر ہے | پہاڑوں میں لے دے کے یہ میر ہے
لدار اک ندی بہتی ہے بیچ سے | روانی میں یہ مثل اک تیر ہے

گل مرگ

سنا ہے کہ گل مرگ ہے لاجواب | مرے واسطے یہ رہا مثل خواب
جو پالی خبر ڈاکے کی اپنے گھر | بنا دیکھے لوٹا ہیں پٹنہ شتاب

(۱۲۲) رنگین۔ تخلص اور منشی چھیدن لال نام محلہ مرار پور گیا میں رہتے تھے شمس العلما نواب سید امداد امام اثر مرحوم نے اپنے منشی ملک عبدالکریم مرحوم کے بعد ان کو ملازم رکھا تھا۔ ذی علم، خوشگو اور صاحب ذوق سلیم تھے۔ نواب صاحب مرحوم کے ہاں روزانہ صبح کے آٹھ بجے حاضر ہو کر ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد سارا وقت کتب بینی اور شعر وشاعری میں گزارتے تھے یہ ۱۹۳۲ء کی بات ہے اس وقت ان کی شاعری کی ابتدا تھی۔ اردو کے علاوہ فارسی کی استعداد

بھی بہت تھی۔ سکندر نامہ، قصاید عرفی، دیوان حافظ، انشائے طاہر وحید اور دفتر ابوالفضل وغیرہ وغیرہ منتہی کتب بالاستیعاب پڑھی تھیں۔ بابو اودھ کشور گشتہ گیاوی سے مشورہ سخن کرتے تھے نسباً کایستھ تھے۔ سانولے اور پست قامت آدمی تھے۔ راقم کو ان کے حالات مخلص مہربان سید عابد امام زیدی خلف شمس العلما نواب سید امداد امام اثر مرحوم سے ملے جس کے لئے راقم ان کا بے حد ممنون ہے اور انہیں نے رنگیں کے تین شعر بھی لکھکر دئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں یہ اشعار خود بتاتے ہیں کہ کس قدر قابل داد ہیں۔

جو ہیں اچھی صورت پہ مرجانیوالے — وہ ہیں نام دنیا میں کرجانے والے

ہیں نے قسمت کی جو شکایت کی — اس میں شکوہ تو آپ کا نہ ہوا

یوں قیامت تک رہے دنیا سلامت مجکو کیا — میری دنیا ساتھ ہی میرے فنا ہوجائیگی

(۱۲۲) **شنکی** — بابو بیجناتھ سہائے ولد منشی درگا سہائے قوم کایستھ ساکن موضع خواص پور ضلع گیا پیشہ زمینداری و مختارکاری سن ولادت تخمیناً ۱۸۹۴ء۔ اردو کے علاوہ انگریزی بھی بخوبی جانتے تھے خلش گیاوی کے تلامذہ میں تھے نمونہ کلام یہ ہے۔

بدی کرتے ہیں کیوں اہل جہاں نیکی کے بدلے میں

سبب اس کا یہ ہے شاید زمانہ اب خراب آیا

(۱۲۳) **بشر** — تخلص اور بی ڈی مہتا نام۔ زیادہ حال معلوم نہو سکا۔ واثق دیوروی نے رسالہ خیابان میں ان کا یہ شعر شایع کیا تھا۔

نہ جلتی شاخ گل تو آشیانہ اور بن جاتا — چھڑایا گردش گردوں نے صحن گلستاں ہم سے

(۱۲۴) **بہار**۔ بابو شیو ناتھ پرشاد ساکن گیا۔ بابو اودھ کشور
گشتہ کے دوستوں میں تھے اور انہیں کے فیض صحبت سے شاعری
کی مشق شروع کی تھی بعد میں سیاسی تحریک سے دلچسپی لینے لگے
اور شعر گوئی ترک کر دی۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

رہے گا ہمدموں جب تک ہمارے دم میں دم باقی
نہیں چھوٹیگا اکدم دامنِ ہندوستاں ہم سے

(۱۲۵) **بہار**۔ اکھوری شیو نندن پرشاد قوم کا یستھ۔ اردل
ضلع گیا کے اسکول میں ہڈ ماسٹر تھے۔ خود کو فصیح الملک داغ دہلوی
کا شاگرد کہتے تھے۔ بذریعہ مراسلت غزل پر اصلاح لی تھی۔ ان کا
ایک شعر یہ ہے۔

فائدہ خاک جمع زر میں نہیں — کچھ نہیں خیر اگر بشر میں نہیں

(۱۲۶) **بیر**۔ پنڈت مہابیر۔ بتیا (چمپارن) ہائی اسکول میں مولوی
تھے اردو اور انگریزی بخوبی جانتے تھے۔ اکثر اردو میں شعر کہتے
تھے۔ ایک شعر یہ ہے۔

دیتی ہے مجکو قدرت صانع کا وہ پتا — جو شے بنائی ہے مرے پروردگار نے

(۱۲۷) **غنیمت**۔ بابو اجودھیا پرشاد بی۔ اے قوم کایستھ۔
ضلع گیا کے کسی دیہات کے باشندہ تھے۔ شاعری میں سید علی خاں
بیتاب عظیم آبادی۔ تلمیذ شاد سے اصلاح لیتے تھے۔ آریا سماج آشرم
میں ملازمت کر لی تھی ان کا ایک شعر یہ ہے۔

بوستاں میں پھاڑ ڈالا گل نے اپنا پیرہن — سیر کو نکلا جو وہ گلگوں قبا برسات میں

(۱۲۸) پروفیسر شیام نرائن لال۔ راقم اس فخر بہار شاعر و ادیب کو یو۔ پی کا باشندہ جانتا تھا لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کا آبائی وطن بکسر (صوبہ بہار) ہے۔ غلط فہمی کا سبب یہ تھا کہ ان کے والد منشی رام چرتر لال اور ان کے بھائی جو بلیا اور اعظم گڈھ میں پیشکار اور سرکاری ملازم تھے وہیں قیام پزیر تھے۔ راقم کے مخلص کرم فرما ڈاکٹر سید احمد حسن پروفیسر ٹی۔ ان۔ بی کالج بھاگلپور نے یہ امر پروفیسر شیام نرائن لال آنجہانی کے صاحبزادوں یعنی بابو کرشن چند لکچرار انگریزی مارواڑی کالج بھاگلپور اور بابو ہرش چند لکچرر معاشیات مونگیر کالج سے تحقیق کرکے راقم کو اطلاع دی۔ ذیل میں جو حالات اور کلام درج کئے جاتے ہیں وہ بھی پروفیسر شیام نرائن لال آنجہانی کے صاحبزادوں سے حاصل کئے گئے ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ متقدمین شعرا کی طرح انھوں نے کوئی تخلص اختیار نہیں کیا تھا۔

پروفیسر شیام نرائن لال ۲۳ جولائی ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں بلیا اسکول سے مڈل کا امتحان اس امتیاز سے پاس کیا کہ پورے صوبہ میں اول آئے اور حکومت کی طرف سے مزید تعلیم کے لئے پانچ سال تک وظیفہ ملتا رہا۔ ام۔ اے پاس کرنے سے پہلے وہ کایستھ پاٹشالہ الہ آباد میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے اور پھر آگرہ کالج میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہوئے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی قائم ہونے پر اس یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور بائیس برس تک اس سے وابستہ رہکر انتقال کیا۔

شعر و ادب کا ذوق فطری تھا اور حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ قرآن مجید کی اکثر آیتیں، عمر خیام کی رباعیاں، غالب، مومن اور ذوق کے اشعار کثرت سے یاد تھے جنھیں وہ اکثر گفتگو میں برمحل استعمال کرتے تھے بارہ برس کی عمر میں وہ اقبال کے کلام سے متعارف ہوئے اور اقبال کی نظموں میں وطن پرستی کے جذبات سے ہمیشہ متاثر رہے۔ پروفیسر لال چھوت چھات اور مذہبی تنگ نظری کے سخت مخالف تھے۔ ابتدا میں بنارس یونیورسٹی میں اردو فارسی اور عربی کا شعبہ جداگانہ نہ تھا اسلئے ان ادبیات کی تعلیم بھی انہیں کے سپرد تھی اور کئی سال تک وہ ان ادبیات کی بورڈ آف اسٹنڈیز کے صدر رہے اور انگریزی شعبہ کی مصروفیت کے ساتھ ان شعبوں کے کام بھی پوری دلچسپی کے ساتھ انجام دیتے رہے بیتھوازملڈ اور غالب پر ان کی تنقیدی تصنیفیں انگریزی اور اردو میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ طبیعت بہت ہمدرد پائی تھی۔ اکثر حاجتمند طلبا کی امداد کیا کرتے۔ ان کی عمر کے چونتیسویں سال ان کی رفیقہ حیات نے انتقال کیا۔ اس حادثہ سے وہ بارہ برس تک بے حد متاثر رہے اور ۱۹۳۸ء میں ۲۰ فروری کو رحلت کی۔ ان کی موت پر پنڈت مدن موہن مالوی نے ان کے صاحبزادے کو تعزیت کا تار دیا اور یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر راجا جوالہ پرشاد کو ان کے پس ماندگان کی اعانت کا حکم دیا۔

اب راقم ان کے وہ اشعار نقل کرتا ہے جو ڈاکٹر سید احمد حسن صاحب پروفیسر نے پروفیسر لال کے صاحبزادے سے دستیاب کر کے پروفیسر

لال کی تصویر کے ساتھ اس تذکرہ کے لئے بھیجے ہیں۔ ان اشعار کی نسبت راقم کو کچھ لکھنے کی حاجت نہیں اسلئے کہ یہ اشعار خود شاعر کی شاعرانہ عظمت کو نمایاں کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ بعض وجوہ سے تصویر اس تذکرہ میں شامل نہ ہو سکی۔

آج خود آ گئے منانے کو — زندگی مل گئی فسانے کو
گا رہا ہوں میں غم چھپانے کو — کون سمجھے مرے ترانے کو
شاخ گل ہے نہ آشیانہ ہے — پھر بھی کہتے ہو مسکرانے کو
پھونک کر آشیاں بھی دیکھ لیا — کچھ سکوں مل گیا زمانے کو
درد کیوں آج مضمحل سا ہے — کیا پتا مل گیا زمانے کو
مضمحل عزم سے سمجھ لینا — بات کیا رہ گئی بنانے کو
عمر رفتہ نے مجھکو سمجھایا — زندگی پائی ہے گنوانے کو

سنبھالے لاکھ ہم سینے میں دل کو — مگر دل پھر بھی بھر آئے تو کیا ہو
وہ سمجھاتے ہیں دیوانے کو لیکن — جو دیوانہ مچل جائے تو کیا ہو
چھپانے کو چھپا لوں اپنے آنسو — انہیں کی آنکھ بھر آئے تو کیا ہو
یہ چپکے چپکے تنہائی میں رونا — کوئی ایسے میں آ جائے تو کیا ہو
متاع زیست اپنا غم ہے لیکن — جو یہ دولت بھی چھن جائے تو کیا ہو
نظر اٹھی ہے میخانہ لئے پھر — جو پیمانہ چھلک جائے تو کیا ہو
بہاروں میں مری صحرا نوردی — طبیعت خود بہل جائے تو کیا ہو
سنانے کو سنا دوں قصۂ غم — نہ ان کو گر یقیں آئے تو کیا ہو
شب فرقت ہے اور ان کا تصور — سحر چپکے سے آ جائے تو کیا ہو

امنڈ کر کچھ آنسو تو آنکھوں میں آئے
کچھ ایسا ہوا کہ برسنے نہ پائے

مرے آنسوؤں کو علاقہ ہے غم سے
مسرت کے موتی نہ میں نے لٹائے

کسی کو مصیبت میں روتے جو دیکھا
مجھے اپنے دامانِ تر یاد آئے

مرا غم مرے واسطے زینتِ دل
جو روتا بھی چاہا تو آنسو نہ آئے

یہ کیسے بتائیں یہ کیونکر بتائیں
کہ کیوں ہم کو مدت ہوئی مسکرائے

وہ وقتِ وداع اسکی آنکھوں میں آنسو
میں کیونکر بھلاؤں بھلایا نہ جائے

یہاں تک تو پہونچی تڑپ زندگی کی
اجل مجھ سے خود اپنا دامن بچائے

میں وہ نامرادِ محبت ہوں ہمدم
پہونچکر جو منزل پہ منزل نہ پائے

مری زندگی بن گئی اک معمہ
مسرت میں بھی مجکو غم یاد آئے

جسے زندگی میں ہو غم کا سہارا
زمانے سے غم کو وہ کیسے چھپائے

(۱۲۹) اُما۔ تخلص اور بابو اما پتی سہائے نام ساکن محلہ پان دریبہ پٹنہ شہر کے روسا میں ہیں۔ ان کے خود نوشتہ حالات تذکرہ یارانِ میکدہ میں موجود ہیں اسلئے راقم نے کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس جگہ اسی کی نقل مندرج کی جاتی ہے۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک گہری نیند سے چونکا ہوں نیند کا زمانہ وہ تھا جو گزر گیا اور چونکنے کا وہ ہے جو رفتہ رفتہ اس کو کھائے جا رہا ہے۔ منظر پر رفتہ رفتہ تاریکی چھائے جا رہی ہے مانوس نظارے گم ہوتے جا رہے ہیں پرانے آثار مٹتے جاتے ہیں خوش باشی اگر معدوم نہیں تو اتنی کمیاب ضرور ہو گئی ہے کہ غیروں کی کیا اپنوں کی آرام کی زندگی محسود ہو گئی ہے مجھے یہ شکایت نہیں کہ مجھے کیوں اب وہ لطف میسر نہیں جو پہلے تھا اگر

اتنا ہی ہوتا تو کچھ گلہ نہ ہوتا۔ گلہ یہ ہے کہ وہ لطف میرے لئے عنقا ہو گیا ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند کا ماجرا گزر گیا۔ وہ تفریحیں نہیں ہیں وہ مشغلے نہیں ہے وہ وضع وقطع نہیں ہے وہ پہناوے نہیں ہے وہ بولی نہیں رہی حتی کہ شاید وہ آدمی ہی نہیں ہے۔ اپنا شہر اجنبی ہو گیا۔ آدمی سے مراد اگر اس کا دل اس کی دلچسپیاں اور دلبستگیاں لی جائیں تو آج کے بچے ایک دوسری جگہ کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے پرانی ہندوستانی سنگیت سے شوق تھا۔ انہیں جلسے ہوتے فلمی ریکارڈ سے مجھے جو سرور کیسی سے ذوق تھا۔ انھیں کیرم اور پنگ پونگ بھی۔ دوست احباب کی ضیافتیں گھر پر کرتا تھا بالائیاں اور قلفیاں گھر پر جمواتا تھا یہ ہوٹلوں میں چلے جاتے ہیں اور فریجیڈیئر ولایتی پھلوں کے ٹن ٹھنڈے کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان چیزوں میں بذات خاص لذت نہیں ضرور ہوگی اور اس قسم کی ہوگی جیسی میرے لئے ان کے مد مقابل کی پہلی چیزوں میں بھی مگر میں اس کو کیا کروں کہ مجھے ان کے سامنے وہ بات کہاں میر ملن کی سی کہاوت یاد آتی ہے۔ دل میر مدن کو ہی چاہتا ہے اور میر مدن ہی کا سوگوار ہے۔ یوں تو کچھ دنوں ہائیکورٹ کے وکالت خانہ میں رونق افروزی کا اتفاق ہوا لیکن اس کو بالفاظ حضرت شاد جوانی کا ایک شغلہ کہئے اور اسی طرح کا کچھ نام اسی قسم کی آنریری مجسٹریٹی وغیرہ کو بھی یاد کیجئے جو میری ادھیڑ عمر میں بعض طبقے کے لئے تقریباً لوازمات زندگی بن گئے تھے۔ ہاں کالج کے زمانہ میں ایک چسکا کتابوں کا لگ گیا تھا وہ اب تک قائم ہے۔ گاہے گاہے ایک آدھ غزل کا بھی اتفاق ہو جاتا ہے۔ غرض کچھ ناول، افسانے اور ڈراموں سے دل بہلا کر اور کچھ آپ بیتی کا دکھڑا غزلوں میں کہہ کر وقت گزار دیتا ہوں اس وقت میری عمر کوئی چون پچپن کی ہے۔ حال ایک کالی ڈائن کی طرح سامنے کھڑا ہے۔ ماضی کی یاد کسی کے برق تبسم کی طرح دل میں تڑپ رہی ہے۔

راقم نے ان کا کلام دستیاب کرنے کو مشتاق حسین صاحب ایڈووکیٹ سے کہا تھا لیکن معلوم ہوا کہ ان کی بیاض غائب ہو گئی ہے۔ غالباً اسی سبب سے یاران میکدہ میں بھی ان کا کوئی شعر موجود نہیں۔

تمت